أُولٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ

یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی آپ ان کی سیرت اختیار کیجئے

[القرآن الحکیم]

تذکرہ صوفیائے میوات

اسلامی ہند کی تاریخ کا بھولا ہوا ایک اہم باب

تالیف

محمد حبیب الرحمن خاں میواتی



مکتبہ مدنیہ

اردو بازار ۰ لاہور

سلسلۂ قادریہ

شیخ المشائخ حضرت شاہ جلال قادری قدس سرہٗ العزیز

آپ قصبہ فیروز پور جھرکہ میں تغلق عہد سلطنت میں تشریف لائے، جو ماضی میں بھی میوات کی مرکزی جگہ تھی اور اب بھی ہے۔ تاریخ وفات ۸۹۸ھ تھا اور کچھ آپکے متعلق معلوم نہ ہو سکا۔

حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ

ولادت: ۱۱۸۳ھ ۱۷۶۹ء قصبہ مہم ضلع روہتک۔

شہادت: ۲۸ رجمادی الاول ۱۲۴۰ھ ۱۸ر جنوری ۱۸۲۵ء مندسور وسط ہند (گجرات)

مرقد: خانقاہ مہم ضلع روہتک۔

محمد رمضان نام تاریخ پیدائش کا مظہر ہے، آپ کی تصنیف آخر گت کا شعر ہے ؎

محمد اور رمضان دونوں ملیں — ہزار اور یک صد تراسی بنیں

بچپن آپ شاہ عبدالعظیم مجذوب بن شاہ عبدالحکیم مہمی بن شاہ لطف اللہ الملقب بہ عطا محمد خاں سہ ہزاری اور نائب صوبے دار لاہور کے فرزند اکبر تھے، ابھی آپ چار سال کے تھے کہ درویش منش فاضل دادا کا انتقال ہوگیا، والد مجذوب تھے، چنانچہ آپ کی تربیت کا بار تمام تر آپکی والدہ ماجدہ پر پڑا۔ خاندان کے معمول کے مطابق آپ نے ابتدائی تعلیم

؎ حیات الابرار مخطوطہ

اپنی والدہ سے پائی، آپ کی والدہ آپ کو اور اپنے مجذوب شوہر کو لیکر ہر سال چند ماہ کے لئے موضع کانپور چلی جایا کرتی تھیں، مسلم راجپوتوں کا یہ قصبہ مہم سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ضلع رہتک میں واقع ہے۔ ان دنوں راجپوت ٹولیاں بناکر لوٹ مار کیا کرتے تھے جو کچھ لوٹ کر لایا کرتے اس کا دسواں حصّہ شاہ عبدالعظیم مجذوب کی خدمت میں پیش کر دیتے۔

حضرت ہادی ہریانہ؎ چودہ سال کے تھے کہ ایک واقعہ پیش آیا، ایک روز کاہور میں اپنے ہم عمروں کے ساتھ کھیل رہے تھے آپنے ایک پتھر اٹھاکر پھینکا کہ درخت سے اوپر ہوتا ہوا دوسری طرف چلا جائے تین کوشش کے بعد ناکام رہے، ایک ہمجولی نے کہا: "اگر میں پھینکدوں تو کیا انعام دوگے؟"۔ آپ نے فرمایا: "پاس تو کچھ نہیں البتہ تمہارے مرنے کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھ کر تمہاری روح کو بخش دوں گا"۔ وہ ہمجولی پتھر پھینکنے میں کامیاب ہوگیا اور واہ واہ کے بعد بات آئی گئی ہوگئی قضاء الٰہی کچھ روز بعد وہ لڑکا فوت ہوگیا، آپ نے وعدہ پورا کیا۔ مگر رات کو خواب میں دیکھا کہ مرحوم ایفاء وعدہ کا مطالبہ کر رہا ہے، بیدار ہوکر آپنے دوگانہ پڑھا اور اس کا ثواب روح کو بخشدیا، مگر رات کو پھر مطالبہ ہوا غرض کئی مرتبہ ایصال ثواب کیا اور ہر مرتبہ مرحوم کو مطالبہ کرتے ہوئے پایا، آپ نے اس کے سبب پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ نذرانوں میں دھاڑ کی لوٹ کا مال آتا ہے اور وہ شرعاً حرام ہے، اور یہی رزقِ حرام قبولِ دعا میں حارج ہے۔ والدہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: "ہم جو کچھ کھاتے ہیں وہ جائز نہیں"، اس بے سہارا خاتون نے جواب دیا: "یہاں تو یہی ہے اگر ہمت ہے تو کہیں حلال روزی تلاش کرو"، آپ اسی وقت والدہ سے

اجازت لے کر بغیر کچھ کھائے پیئے چل کھڑے ہوئے اور پا پیادہ دہلی جا پہنچے[۵]

حصول تعلیم

ان دنوں آپ کے خاندان کے ایک بزرگ حضرت شاہ سلام اللہ، جو بعد میں ہادی ہریانہ کے خسر ہوئے۔ قلعہ معلی دہلی میں شہزادیوں کی تعلیم پر مامور تھے، ان کی وساطت سے آپ شاہ عبدالقادر دہلوی کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور چودہ سال تک علوم ظاہری و باطنی سے فیض یاب ہوتے رہے، ہفتہ میں دو بار، منگل اور جمعہ کو، شاہ عبدالقادر دہلوی کے برادر بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے استفادہ کرتے رہے اور آپ سے سبقاً سبقاً آپ کے والد ماجد امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصانیف، قول الجمیل اور کتاب انتباہ پڑھیں، اور دونوں کی اجازت پائی، دہلی میں یہ سلسلہ تعلیم سنہ ۱۱۹۷ھ سے سنہ ۱۲۱۱ھ (سنہ ۱۷۸۳ء سے سنہ ۱۷۹۶ء) تک چودہ سال جاری رہا، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے علاوہ آپ نے مندرجہ ذیل بزرگوں سے کسب فیض کیا:-

(۱) حکیم غلام حسین عرف حکیم سکھوا گوہانوی (۲) میر فتح علی شاہ دہلوی (۳) حضرت شائستہ خاں دہلوی (۴) حضرت شاہ غلام جیلانی صدیقی رہتکی (۵) سید غلام قطب الدین فرخ آبادی (۶) شاہ ارادت اللہ دہلوی (قصبہ بگڑ اسلام علاقہ مارواڑ کے رہنے والے تھے) (۷) شاہ محمد عبدالعظیم گیلانی لاہوری ثم پانی پتی متوفی سنہ ۱۲۲۷ھ۔

۵ روضۃ الرضوان ص ۴۴ تا ۶۴

شاہ محمد رمضان نے آپ کے سلسلۂ قادریہ کا اجرا کیا، قادریہ سلسلۂ طریقت اس طرح ہے: ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید، شاہ محمد عبدالعظیم گیلانی ثم پانی پتی، سید حفیظ اللہ قادری متوفی سنہ ۱۱۵۸ھ سکنہ بڑی کھاٹو علاقہ مارواڑ، شاہ عبداللطیف، شیخ بدھا، شیخ فتح محمد، شیخ الہ داد، شیخ عبدالقادر ثالث، سید محمد غوث، شیخ زین العابدین، سید عبدالقادر ثانی، میر شمس الدین، مخدوم سید شاہ میر، سید ببر علی، سید مسعود، سید صوفی، سید ابو نصر، سید سیف الدین عبدالوہاب، حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ۔

شخصیت

آپ کا قد میانہ تھا، بازوؤں کے اعتبار سے ساونت تھے، یعنی بازو اس قدر طویل تھے کہ ہاتھ کی انگلیاں گھٹنوں کے قریب پہنچ جاتی تھیں، جسم بھرواں تھا، رنگ گندمی سرخی مائل، پیشانی چوڑی، ابرو کشادہ، سینہ فراخ، اور ریش قطع تھی، حضرت شاہ غلام جیلانی رہتکی فرمایا کرتے تھے کہ: "ہزاروں کوس کا سفر کیا، اچھی سے اچھی مخلوق الٰہی نظر سے گذری مگر آپ کی ظاہری صورت کا بھی کوئی انسان نہ دیکھا، باطنی اوصاف تو کجا" (روضۃ الرضوان) سفر حج کے لئے تشریف لے گئے، آپ کے رفقار سفر جو واپس آئے بیان کرتے تھے کہ آپ کی وجاہت اور شباہت کو دیکھ کر بعض عرب سرگوشیاں کر رہے تھے کہ ہندوستان کا بادشاہ ہے جو درویشوں کے بھیس میں آیا ہے۔

صاحب روضۃ الرضوان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مسٹر ولیم فریزر اور دہلی کے ریزیڈنٹ مسٹر آکٹر لونی کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

کا وعظ سننے کا شوق ہوا، حضرت دہلویؒ نے اپنے وعظ میں خلفاء راشدین رض اور دیگر صحابہ کرام رض کے فضائل و مناقب بیان فرمائے اختتام وعظ پر آکٹرلونی نے دریافت کیا: کیا اب بھی مسلمانوں میں کوئی ایسا ہے جو صحابہ رض کے مشابہ ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہے، انھوں نے شوق زیارت کا اظہار کیا، تاریخ مقرر ہوگئی۔ ہم سے شاہ رمضان رح کو بلا کر اندر بٹھالیا مگر انھیں بتایا کچھ نہیں، اس روز مدرسہ میں ایک جم غفیر تھا، مسٹر آکٹرلونی بھی آئے تھے حضرت شاہ صاحب دہلوی رح شاہ محمد رمضان کا ہاتھ پکڑے باہر نکلے اور فرمایا:

"میں اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں، مثل اصحاب کرام رض یہ صاحب میاں محمد رمضان صدیقی مہی ہیں"۔

مجمع میں سے کسی نے پوچھا کہ مثل اصحاب کرام رض، در سیر یا در صورت؟

آپ نے فرمایا: "ہم در صورت و ہم در سیر"۔

اس وقت شاہ محمد رمضان پر رقت طاری ہوگئی اور روتے ہوئے فرمایا: ہاتھی کا بوجھ گھوڑے پر رکھا جا رہا ہے[1]

ہادیٔ ہریانہ

آپ کی زندگی کے سیکڑوں واقعات نقیب الاولیاء اور روضۃ الرضوان میں درج ہیں، اگر ان کے ساتھ ان روایات کا ذکر کیا جائے جو اب تک لوگوں کی زبانوں پر ہیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ بزرگان دین سے متعلق روایات سینہ بہ سینہ چل کر کیا سے کیا بن جاتی ہیں

[1] روضۃ الرضوان ص ۶۷، ۶۸۔

مگر اس پر حیرت ہے کہ آپ سے متعلق روایات نہ محیر العقول ہیں اور نہ انھوں نے آپ کو ایک افسانوی شخصیت بنایا، یہ زبانی روایات بنیادی طور پر آپکی تعلیمات سے ہم آہنگ ہیں تاہم زبانی ہیں اس لئے کسی تاریخ کی کتاب کیلئے مستند شمار نہیں ہوسکتیں۔ آپ کے اتنے ٹھوس کارہائے نمایاں موجود ہیں کہ زبانی روایات کا سہارا لئے بغیر آپ کی سوانح عمری مرتب ہوسکتی ہے، آپنے معاشرہ میں اتنی زیادہ اور ایسی خوشگوار تبدیلیاں کی ہیں جن کے اثرات ابتک محسوس کئے جاسکتے ہیں، بقول نقیب الاولیاءؒ:-

"ہریانہ، میوات اور سوتر کے ہزاروں کافر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور بلا مبالغہ لاکھوں نے کفر و شرک سے آپ کے ہاتھ پر توبۃ النصوح کی" (ج ۲ دفتر ۲ ص ۵)

اور بقول حافظ محمود شیرانی:-

"وہ ہریانہ دیس کے صحیح معنوں میں مصلح اور ہادی ہیں، انکی عملی زندگی کے کئی پہلو ہیں یعنی فقہی، روحانی، اصلاحی اور ادبی"[1]

خان بہادر پیرزادہ ڈپٹی مظفر احمد فضلی حضرت ہادی ہریانہ کی شہادت کے ساٹھ پینسٹھ سال بعد ضلع حصار میں ضلع دار تھے، وہاں کے معمر راجپوتوں کی زبانی روایات اور ہادی ہریانہ رح کے زمانہ کی تحریروں اور نظموں وغیرہ کو سامنے رکھ کر اپنی تصنیف نقیب الاولیاء میں ضلع حصار کے علاقہ سوتر کے مسلم راجپوتوں کی حالت یوں بیان کی ہے:-

"عرب جاہلیت میں جیسا کہ قبیلہ قبیلہ کا بت جدا تھا،

[1] ص ۹۷، بحوالہ لاہور اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۳۲ء

اسی طرح سوتر میں ہر کام کے لئے نئی بدعت اور نیا شرک قوم کا مسلمہ آئین ہو رہا تھا، کیا مرد کیا عورتیں، کھلے بندوں کفار کی رسوم کے پابند تھے۔ دھڑلے سے مسلمان دیوی کو پوجتے تھے، پیپل، جنڈ، کیر کی پرستش کرتے تھے، آگ کو دیوی، چراغ کو دیوتا مانتے تھے..... اُن کا عقیدہ تھا کہ جس گھر میں آٹھوں پہر آگ موجود رکھی جائیگی وہ گھر نہ صرف افلاس کی تاریکیوں سے محفوظ رہے گا، بلکہ آگ کی جوت سے نعمتوں کی برکات کا نور اس گھر کے در و دیوار پر سورج بنکر چمکے گا"۔

یہی مصنف اپنی تصنیف 'سیمرغ' میں ہریانہ کے مسلم راجپوتوں کی معاشرتی حالت کا اس طرح نقشہ کھینچتے ہیں:-

ہے جو ہریانہ میں قومِ راجپوت
سر بسر ہے میرے دعوٰی کا ثبوت

ان کا یہ آئین، یہ دستور تھا
ہر کوئی اس رسم پر مجبور تھا

لڑکی جب ہوتی تھی پیدا لاکلام
زندہ در گور اس کو کرتے تھے تمام

جانتے تھے کسرِ شاں داماد کو
قتل کرتے دخترِ ناشاد کو

ہر قبیلہ میں یہ رسمِ عام تھی
زندگانی موت کا پیغام تھی

لڑکیوں ہی کی نہ تھی کچھ گت بری
شرک سے تھی ملک کی حالت بری

سیتلا کو پوجتے تھے جابجا
یہ مرض گویا کہ اک معبود تھا

ہولی، دیوالی مناتے تھے تمام
کافروں کی رسم پہ تھے خاص و عام

مانتے تھے بھوت کی پریوں کی ناز
جانتے تھے ان کو اپنا کارساز

زین خاں کی منتوں کا زور تھا
شرک میں کفار کا سب طور تھا

ہر گلی، کوچہ میں با شور و فغاں
تھا علم گوگا کی چھڑیوں کا نشاں

تھا کوئی لونا مچاری کا غلام
ٹونکوں میں جانتا تھا اپنا کام

شیخ سدو کی نیازوں کا تھا شور
مول تھا بکروں کا بس کچھ سو کچھ اور

ہر بشر کے شرک سے لیل و نہار
تھا زباں پر نعرۂ یا دم مدار

ٹھاکروں کی بھینٹ چڑھتی تھی کہیں
غیر کے سجدے میں گھستے تھے جبیں

گودتے تھے نیل سے اپنا بدن
اک نئی تصویر تھا ہر عضو تن

میتوں پر سوگ کرتے سال بھر
بَین کرتے ان کے حال و قال پر

جانتے تھے دست بردی کو کمال
شیرِ مادر تھا انھیں غیروں کا مال

ان ابیات میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ محض شاعری نہیں بلکہ اس وقت کے ایک ہریانوی مصنف حافظ رحمت خاں کی کتاب 'تحفۂ ایمانی' اور حضرت ہادیٔ ہریانہ کی تصانیف سے اس کے حرف حرف کی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ اس میں آگے ہادیٔ ہریانہؒ کی تحریک کا کارنامہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے ہر مذموم رسم کا خاتمہ کیا اور پوری طرح اس کا استیصال کر دیا۔

غیب سے ظاہر ہوا ابرِ کرم
جس کا سرمرکز تھا نیسانِ مہم

حضرت رمضانؒ نے باعزم درست
وعظ پر باندھی کمر ہمت کی چست

قوم کو تعلیم کی تلقین کی
قوم کو باتیں سکھائیں دین کی

ان کو سمجھایا مفصّل کھول کر
ٹھیٹ موٹی ان کی بولی بول کر

ہو گئی اک آن میں کایا پلٹ
شرک و بدعت کا گیا دفتر الٹ

گُل ہوا رسمِ جہالت کا چراغ
ہو گیا سرسبز پیغمبر کا باغ

لڑکیاں لڑکوں سے پیاری ہو گئیں
باغ میں پھولوں کی کیاری ہو گئیں

شدھی میں ڈنکا بجا اسلام کا　　راجپوتوں کا فلک پر غُل ہوا
اوندھے چولھے دیوتاؤں کے ہوئے　　ڈیڑھ پونے ماسواؤں کے ہوئے
زین خاں نے کی رہِ ملکِ فرار　　لب کو بھولا نعرۂ بادم مدار
کفر پر غالب ہوا حق کا چلن　　شیخ سدّو کا ہوا بکرا ہرن
گُل ہوا دیبی کی منت کا چراغ　　ہے دلِ شیطاں میں حسرت کا یہ داغ
سرنگوں گوگا کا جھنڈا ہوگیا　　جوشِ نارِ جہل ٹھنڈا ہوگیا

اگر اس وقت ان قبائل کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو اس کا قوی امکان تھا کہ ۱۸۰۳ء میں مسلمانوں کے ہاتھ سے زمامِ حکومت جانے کے بعد یہ اپنی قدیم حالتِ کفر پر لوٹ جاتے اس طرح خود بھی خسارے میں رہتے اور مسلمان بھی ان لاکھوں جری بہادروں سے محروم رہ جاتے مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا یہ حقیقت ہے کہ شاہ محمد رمضانؒ کی اصلاحی تحریک کی بدولت دولتِ ایمان سے مالا مال ہونے کے علاوہ اب یہی قبائل تمدنی، معاشی اور اخلاقی اعتبار سے اپنے ہم نسل ہندو راجپوتوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔

کارکنوں کی تربیت ہر مصلح کو تحریک چلانے کے لئے کارکن درکار ہوتے ہیں۔ آپ نے مسلم راجپوتوں ہی میں سے چُن چُن کر ان لوگوں کو تربیت دی جو فطرتاً نیک اور اپنے گھناؤنے ماحول سے بیزار تھے، تحریک کے ارکان میں ایسے کارکن بھی پائے جاتے ہیں جو پہلے ہندو یا عیسائی تھے اور آپکے دست حق پرست پر اسلام لاکر ایک نومسلم کے سے جوش اور دلولے سے کام کرتے تھے، آپ ہر طالب کو بیعت نہیں کرتے تھے مگر جسے بیعت کرلیتے وہ آپ کے رنگ میں رنگ جاتا۔ گرمی میں اپنے آبائی محل کے تہ خانے میں قیام ہوتا تھا، وہیں بیسیوں درویش آپ کے زیر تربیت رہتے تھے، باقی درویش محلہ اور شہر کی مساجد میں ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے، درویشوں کی یہ جماعت خود کھیتی کیاری کرکے اپنے اور مسافروں کے لئے غلہ مہیا کرتی، کھیتی کیلئے زمین مسلم راجپوتوں نے دے رکھی تھی جسے دوہلی کہتے تھے، ان دوہلیوں کے سرکاری واجبات اہلِ دِہ ادا کرتے، اور آمدنی تحریک کا سرمایہ ہوتی تھی۔ ان میں سے نہم، کاہنی، بوٹھی، رانگ اور خانک کی دوہلیاں ۱۹۴۷ء تک شاہ محمد رمضانؒ کے ورثاء کے پاس تھیں۔ مسافرخانے میں ایک ایک وقت سو سو درویش مسافر روز طعام پاتے اور آپ روکھی سوکھی پر بسر اوقات کرتے، صبح چنے کی روٹی چھاچھ کے ساتھ اور شام کو نمکین دلیہ یا گُڑ کا دلیہ آپکی عام خوراک تھی، آپکی اہلیہ خود چکی میں اناج پیسا کرتی اور سوت کاتا کرتی تھیں، حالانکہ ان خاتون کے والد ماجد حضرت شاہ سلام اللہ کا شمار دہلی کے رؤسا میں ہوتا تھا۔

درویشوں کی جماعت میں احمد نامی ایک گاڑی بان تھا جو ہندو یوگی سے مسلمان ہوکر آپکی خدمت میں رہتا، اور آپکی رتھ چلایا کرتا تھا۔ اس کی نازبرداریاں دیکھکر ایک بار آپکے پیر و مرشد سید محمد عبدالعظیم لاہوری ثم پانی پتیؒ نے فرمایا: ”میں نے بارہا سوچا کہ تمہارے پاس سیکڑوں آدمی کیونکر کھنچے چلے آتے ہیں اور آکر جانے کا نام نہیں لیتے اور جو جاتے ہیں تو روتے ہوئے جاتے ہیں، آج معلوم ہوا کہ تمہارا حلم سب کو کھینچ لیتا ہے۔“ (روضۃ الرضوان ص ۸۵)

ان درویشوں میں ایک انگریز یا فرانسیسی بھی تھا جو دہلی میں آپ کا دعظ سنکر مسلمان ہوا (نقیب الاولیاء نیز سہ حرفی حافظ رحمت خاں)

♣ ♣ ♣

ایک تبلیغی دورہ

اپنے درویشوں کی معیت میں آپ سال کے گیارہ مہینے وطن سے باہر رہتے۔ ایک تبلیغی دورے کا تذکرہ روضۃ الرضوان میں ہوا ہے اور تفصیل نقیب الاولیاء، جلد دوم دفتر دوم میں دی ہوئی ہے اقتباسات آخر الذکر کتاب سے ہیں:-

"ایک مرتبہ آپ ہانسی حضرت قطب جمال ہانسویؒ کی درگاہ میں قیام فرما تھے، عرس کا موقع تھا، علاقہ علاقہ کے لوگ حصولِ فیض کے لئے آپکی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے، ضلع حصار کے علاقہ سوتر کا ایک وفد آیا، اس وفد میں شاہ محمد بودلہ، مولوی نور محمد سکنہ رانیہ، حافظ رحمت خاں سکنہ موسی کھیڑہ، اور قاضی غلام محمد فتح آبادی بھی تھے، انھوں نے عرض کیا: آپ کے فیض برکات سے ہریانہ اور تمام ملک ایں سوئے حصار رسوم قبیحہ سے نجات پا چکا ہے، لوگ فسق و فجور سے تائب ہو چکے ہیں، دختر کشی کی دیرینہ رسم مفقود ہو چکی ہے، لیکن سوتر اور بھٹانہ میں ہنوز خاص و عام اسی بلا میں گرفتار ہیں" (ص ۴۹)

یہ باتیں سُنکر آپ بہت ملول ہوئے اور بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہوئے۔ اگلے روز اپنے درویشوں کو لے کر ہانسی سے چل پڑے، راستے میں بستی بستی وعظ و تلقین فرماتے ہوئے بیگھڑ پہنچ گئے، یہ مسلم راجپوتوں کا قصبہ اور حصار کی تحصیل فتح آباد سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر واقع پر تھا۔ یہاں آپ نے کئی روز قیام کیا، پہلے روز وعظ فرما رہے تھے، سارنگ نامی نمبردار نے اٹھ کر کہا کہ ہمیں شریعت کے احکام ماننے میں کوئی عذر نہیں، مگر

اپنی لڑکیوں کو زندہ رکھ کر کسی کا سالا یا سسر بننا ہمیں گوارا نہیں اور اپنے بزرگوں کی طرح ہمیں یہ بھی برداشت نہیں کہ چچازاد بہن کو نکاح میں لائیں۔

سارنگ اس علاقہ میں بااثر تھا اور اس کے ہمنیالوں کی بھی کمی نہ تھی، تاہم آپ کی شخصیت اور آپ کے وعظ کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہاں کی اکثریت آپ کے ہاتھ پر ان دونوں برائیوں اور دوسری مشرکانہ رسوم سے تائب ہو گئی۔ وہاں کے پڑھے لکھے لوگوں میں اپنی مصنفات تقسیم کرائیں اور ہدایت فرمائی کہ انھیں محلہ محلہ اور گھر گھر پڑھ کر سنایا جائے۔ دورانِ قیام گرد و نواح کے دیہات کے لوگ آکر آپ کے ہاتھ پر تائب ہوتے رہے یہاں آپ نے حافظ مستقیم کو اپنا خلیفہ بنایا اور پھر فتح آباد کا عزم کیا۔

اس تمام سفر میں ایک دیندار راجپوت حافظ رحمت خاں سکنہ موسی کھیڑہ آپ کے ہمراہ تھے، انھوں نے ایک سہ حرفی میں حضرت شاہ محمد رمضان کے فضائل اور کرام کا ذکر کیا ہے، یہ سہ حرفی نقیب الاولیاء جلد دوم دفتر دوم میں نقل ہوئی ہے، حروف تہجی کے اعتبار سے کل اٹھائیس بند ہیں جن میں سے ہم صرف تین یہاں نقل کرتے ہیں:-

(ع) عین عجائب تیرا سایا — جان تہہ دلی وعظ سنایا
ہک فرنگی دوڑا آیا — ترت فرت ایماں لے آیا
ہور ہمیں کی کراں بیان
حضرت ہادی شاہ رمضانؒ

(غ) غرور تکبر والے — پیندے جیڑے خمر پیالے
دیکھ تینوں ہوئے خوشحالے — تائب ہو چھڈن بد چالے
تابع تیرے جن وانساں
حضرت ہادی شاہ رمضاں

(ق) قصہ ستّ دھیاں والا — قتل اولاد او نہا دا چالا
مار دھیاں کرے منہ کالا — اوتھے گیوں تو کڈھو کنسالا
دیکھ تینوں ہوئے حیراں
حضرت ہادی شاہ رمضانؒ

ضلع حصار کے ایک علاقہ میں پنجابی زبان بولی جاتی ہے ۔ بند (ع) میں اسی فرنگی کا حوالہ ہے جو آپ کے درویشوں کی جماعت میں شامل ہوگیا تھا ۔ بند (غ) میں مسلم راجپوتوں کی کثرت شراب نوشی کی طرف اشارہ ہے آج بھی ہریانہ کے ہندو راجپوتوں کے ہر گھر میں شراب کی بھٹی ہے ۔ بند (ق) میں موضع جھنڈا علاقہ پٹیالہ کا وہ واقعہ بیان ہوا ہے جس کے خود حافظ رحمت خاں عینی شاہد تھے ، رواج سے مجبور ہو کر ایک بدنصیب باپ اپنی چھ لڑکیوں کو پہلے دفن کر چکا تھا ، اور اب ساتویں لڑکی کو دفن کر کے آرہا تھا ، حضرت ہادی ہریانہؒ ایک جگہ وعظ فرما رہے تھے اور لوگ آآ کر آپکے ہاتھ پر رسم دختر کشی سے تائب ہو رہے تھے ، یہ شخص بھی روتا ہوا آیا اور تمام ماجرا بیان کیا ، آپ اسی وقت قبرستان تشریف لے گئے ، قبر کھدوائی تو لڑکی ایک مٹی کے برتن میں زندہ پائی گئی ، اسے باپ اپنے گھر لے گیا ۔

حکیمانہ تبلیغ کے اثرات

بچپن میں آپ کا قیام مسلمان راجپوتوں کے قصبہ کاہنور میں اکثر رہا ، یہاں رہ کر آپ نے ان قبائل کی زندگی کا ہر پہلو دیکھا ان کی نفسیات سے واقف ہوئے ، ان کی زبان پر بھی قدرت حاصل کی ، اسی ہریانوی زبان کا کرخت لہجہ عوام کی فطرت سے ہم آہنگ تھا ، اس لئے تبلیغ بھی مؤثر ثابت ہوئی ۔

علاقہ کے قریہ قریہ میں جا کر آپ نے اسلام کا پیغام پھیلایا ، علاوہ ازیں اس پیغام کی بیسیوں کتابوں میں تشریح کی ، ان کتابوں میں سے بیشتر کی زبان ہریانوی ہے ، اس طرح آپ نے اس بولی (زبان) کو اس قابل بنا دیا کہ اسمیں تصوف اور شریعت کے بیان کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ، ساتھ ہی تحریک کے لئے مذہبی ادب کا ذخیرہ پیدا کر کے اسے دیرپا بنا دیا ۔ لیکن جن کے لئے یہ کتابیں لکھی گئیں وہ باستثنار چند حرف شناسی سے نابلد تھے ، اس لئے آپ نے شعر کو وسیلۂ اظہار بنایا ، جس کا اثر یہ ہوا کہ اس تحریک کے کارکنوں اور ائمہ مساجد کے ذریعے یہ اشعار ان پڑھ عوام تک پہنچ گئے ، شعر کی اثر آفرینی مسلمہ ہے اس طرح احکام قرآنی ، احادیث ، سِیَر نبویؐ ، ضروری مسائل فقہ ، آپ کی حیات ہی میں ہر ایک کی زبان پر جاری ہوگئے ، آج ہزاروں ابجد ناشناس ایسے ہیں جنھیں کبھی علمائ کی صحبت میسر نہیں ہوئی مگر ان اشعار کی بدولت ضروری مسائل فقہ اور دوسری ضروریات دین سے واقف ہیں ۔

طب میں آپ کو دسترس حاصل تھی جس گاؤں میں جاتے وہاں مریضوں کا معائنہ فرماتے اور اس میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تمیز نہیں تھی ، پاس دوا ہوتی تو وہ بھی مفت دیتے ، بنی نوع انسان کے ساتھ اس قسم کی ہمدردی ہمیشہ اور ہر جگہ تبلیغی مساعی میں ممد و معاون رہی ہے ۔

دورانِ سفر جہاں مسجد نہ ہوتی وہاں مسجد بنواتے ورنہ تعمیر مسجد کی تحریک کرتے ، .... رہتک میں بیوپاریوں کی مسجد آپ کی ترغیب سے بنی ، اس کی بنیاد بھی آپ کے ہاتھ سے رکھوائی گئی ، انھیں بیوپاریوں نے پاکستان آکر ملتان کی گڑ منڈی میں جو عالیشان مسجد تعمیر کرائی ہے اس سے متعلق مدرسہ کا نام "مدرسہ رمضانیہ" رکھا ہے ، رہتک کی عید گاہ بھی آپ ہی کی تحریک کا نتیجہ ہے ،

جہاں جاتے ہر جگہ مسجد تعمیر کرانے کی سعی فرماتے اسطرح مسلم راجپوتوں میں تعمیر مساجد کا شوق پیدا ہوا تو وہ رفتہ رفتہ اسلام سے قریب تر ہوتے گئے۔ اس سے پہلے ان برائے نام مسلمانوں کے جذبۂ عبودیت کی تسکین کسی ٹھاکر دوارے یا دیبی کے مندر میں ہوتی تھی، ان کا کوئی الگ معبد نہ تھا نہ مرکز، ان مساجد کو مرکز بنا کر آپ نے اصل کام شروع کیا، یعنی اصلاح عقیدہ و عمل، ان کے بن جانے سے مسلم راجپوتوں کو پہلی بار احساس ہوا کہ ہم اپنے ہم نسل ہندو راجپوتوں سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں، یہ احساس پیدا کرنے کے بعد آپ نے حکیمانہ طریق سے انکی خوئے غارت گری اور ایک ایک کر کے ہر رسم شرک و بدعت ختم کر دی۔

کسی مشرکانہ رسم سے معاشرہ کو کسی حتمی علاج کی غیر موجودگی میں نکالنا کارے دارد ہے، آپ نے سالہا سال کی کوششوں کے بعد سیتلا دیوی کے کریہہ المنظر بت پر گلگلے اور پوڑوں کے نذرانے کو ایک میٹھے روزے کا اجرا کر کے اس طرف پھیر دیا، اس دن لڑکیاں بڑی بڑی اور میٹھی روٹی پکاتیں اور عورتیں ان روٹیوں سے افطار کرتیں، اور مسلم راجپوتوں کے دلوں سے احترام گاؤ کم کرنے کی خاطر بی بی مریم کے روزے کا اجرا کیا۔ یہ روزہ بعض لوگ اب تک سترہ رجب کو رکھتے ہیں، عوام اس رسم کو روٹ بوٹ کہتے ہیں۔ اس روز گائے کا بھنا ہوا گوشت 'ایک ایک پاؤ کی بوٹی' روغنی روٹی پر رکھ کر عزیز و اقارب میں تقسیم کیا جاتا، اس طرح رسوم و توہمات سے بھی چھٹکارا میسر ہو جاتا، طمانیت قلب بھی مل جاتی اور لذتِ کام و دہن بھی، غرض جس قدر جتنی بھی غیر شرعی باتیں راجپوتوں کے مسلم معاشرہ میں سرایت کیے ہوئے تھیں ختم ہو گئیں، یہاں آپ کی ایک تصنیف "عقائد عظیم" سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے اس سے اندازہ ہو گا کہ ہریانہ کی نومسلم اقوام میں اس وقت کون کون سی مشرکانہ رسوم تھیں:-

"...... طاغوت اسے کہتے ہیں. جیسے کوئی ایک زبردست کو ڈرتا ہوا پوجے جیسے بھوت یا پریت کا اوتار یا اوتاری، جیسے شیخ سدو کا بھوکی، باؤلی ہونے کے ڈر سے بکرا یا بکری، یا سرور سلطان کے ڈر سے، کہ کوڑھی کر دے گا برائے کو سجدہ کرے یا پوجے یا بھڈر یعنی کالی گائے یا گوگا کے ڈر سے کہ سانپ سے کٹوا دے گا رت جگا کرے، سیتلا کے ڈر سے خوشامد کا مارا بت خانہ میں جا کر بُت پوجنے لگے تو کفر میں پڑے۔

اور کون وہ چیز ہوتی ہے کہ اللہ تعالٰے نے ایک چیز کو عجائب یا خوبصورت پیدا کیا اور کوئی اسے پوجنے لگ جائے، یا پتھر میں آگ نکلنے لگے کوئی دیبی نام رکھ کر کوئی حاجت مانگنے لگے یا سجدہ کرے یا کسی بزرگ کے مزار کا جاہ و جلال دیکھ کر سجدہ کرنے لگے، جیسے حویلی بنائے، ایک طاق اس میں پیر کا ٹھہرا دیا، یا ایک بت خانہ بنا کر کسی بزرگ کا نام لے کر زمین کو لیپ دیا یا تعزیہ بنا کر اس کی طرف سجدہ کرنے لگے یا طواف کرنے لگے، یہ سب شرک ہے"۔

(ص ۳۴ - ۳۵)

نومسلموں اور ان کی اولاد کو ہندوؤں سے تمیز کرنا مشکل تھا، ہریانہ کے ہندو بھی داڑھی رکھ لیا کرتے تھے، آپ نے یہ نہایت ہی مفید کام کیا کہ مسلم راجپوت مردوں نے دھوتی چھوڑ کر تہبند اختیار کیا، اور خواتین نے گھاگرا ترک کر کے پاجامہ و شلوار کا استعمال شروع کر دیا۔

یہ اور بہت سی اور باتوں کا یہ اثر ہوا کہ معاشرتی اعتبار سے مسلم راجپوت اپنی قدیم ہندو برادریوں سے قطعی مختلف ہو گئے، رسمِ دختر کشی ختم ہوئی، رہزنی اور غارت گری چھوٹی، زراعت اور فوجی ملازمت کی طرف توجہ ہوئی، اخلاق و عادات میں ایک انقلاب برپا ہو گیا، جمود ٹوٹا اور ترقی پذیر معاشرہ وجود میں آیا، مسلم سماج کا ظہور ہوا، ہر طرف قال اللہ و قال الرسول کے چرچے ہونے اور سنائی دینے لگے، متعدد غیر مسلم اپنے عقائد اور رسم و رواج کے مقابلہ میں ایک بہتر اور ستھرا نظامِ حیات دیکھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے آپ کے دستِ حق پرست پر ہزاروں غیر مسلم ایمان لائے، پھر بھی کوئی تحریر ایسی نہ مل سکی جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ ہندو اپنے مذہب کے لئے آپ کو ایک خطرہ سمجھتے تھے، ایسا ہونا تو چاہیئے تھا ضرور، مگر تعجب ہے، صورتِ حال اس سے مختلف ہے، دورانِ سفر وہ گاؤں بھی پڑتے تھے جہاں کُل آبادی ہندوؤں کی تھی، آپ بستی سے باہر کسی درخت کے نیچے بیٹھ جاتے، ہندو بھی زیارت کے لئے آتے، اور جب آپ وہاں سے اُٹھ کر چلے جاتے تو توہم پرست ہندو جاٹ اس جگہ کو اتنا مقدس سمجھنے لگتے کہ وہاں ایک چبوترہ بنا دیتے۔ ۱۹۴۷ء تک کئی ہندو دیہات کے باہر "شاہ رمجان کے چبوترے" موجود تھے۔ ممکن ہے اب بھی ہوں، اس نیک نفس پاک باز عظیم شخصیت کی ذات سے غیر مسلموں کی عقیدت کچھ ایسی غیر متزلزل تھی کہ آپ کی شہادت کے ڈیڑھ صدی بعد بھی، آپ کے خاندان کے ہر فرد کو ہندو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے یہاں تک ۱۹۴۷ء میں جب اور مقامات کی طرح ضلع رہتک میں بھی جنگل کا قانون رائج ہوا اور انسانوں نے درندوں سے زیادہ سفاکی دکھائی اور انیس ہزار بیگناہ مسلمانوں کو صرف ضلع رہتک میں شہید کر دیا گیا۔ اس پر آشوب زمانے میں بھی مہم کا وہ محلہ محفوظ رہا جہاں ہادئ ہریانہ کا خاندان آباد تھا۔ یہی نہیں بلکہ ہندو جاٹ انخلاء کے وقت اپنی بیل گاڑیوں میں بٹھا کر ان میں سے بعض کو بحفاظت قصبہ کاہنور میں چھوڑ کر گئے جہاں سے وہ پاکستان گئے۔ یہ دراصل تفسیر ہے مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ کی، یعنی جو خدا کا ہو جائے تو پھر کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا خادم بن جاتا ہے۔

مخالفت

اگر کسی مصلح کی مخالفت نہیں ہوئی تو سمجھ لیا جائے کہ اس نے معاشرہ میں کوئی اہم تبدیلی نہیں کی[1]۔ ہندوؤں کی مخالفت کا بیان تو کوئی ہمیں نہیں ملا، البتہ حکومت نے آپ کی جاگیر ضبط کر لی، اور بعض مسلمان نمبردار آپکی تحریک کو ناکام بنانے میں اپنے تمام وسائل حرکت میں لے آئے، عوامی بیداری اور دینداری سے اس طبقہ کے مفاد پر زد پڑتی تھی۔ تکلیف دہ مخالفت ان کی طرف سے ہوئی جن سے تعاون کی امید تھی۔

---

[1] یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آیا: ۱۹۵۹ء میں ایک دوست سے ملنے کی خاطر پاکستان گیا، یہ بہت ذہین، باشعور اور سنجیدہ آدمی ہیں، نام ہے کمال الدین، کمال سالار پوری اردو کے بہت اچھے شاعر بلند پایہ ادیب۔ ایک دن باتوں باتوں میں کہنے لگے: "اگر کسی جماعت کی مخالفت نہ ہو تو سمجھئے جماعت باطل ہے اہل حق میں سے نہیں اور وضاحت کرتے ہوئے ایک مشہور خاص جماعت کا نام لیا کہ نصف صدی ہونے کو آئی مگر ابھی تک اس کی ہر طبقہ میں پذیرائی ہے"۔

میں نے کہا: "یہ اندازِ فکر مناسب نہیں، فکر کو وسیع، کشادہ، صاف اور سنجیدہ رکھنا چاہیئے، اس قسم کی باتوں سے کوئی دینی مہم سر نہیں ہوتی، بلکہ باہمی رنجشیں روابط کو ڈھیلا دیتی ہیں۔ مجھے اس وقت یہ بات نادر اور اجنبی سی لگی، مگر اس کے بعد جب بھی کبھی یہ تصور

آپ کے درویشوں کی جماعت میں ایک ممتاز بزرگ مولوی نور محمد صاحب تھے، رانیہ کے باشندے مگر رہائش بیگھڑ میں تھی، رام پور کے

(بقیہ حاشیہ) ذہن میں آیا کچھ نقوش ضرور چھوڑ گیا، آخر کبھی نہ کبھی تو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا ہی تھا - اب ایک دانش مند مفکر کا یہ مقولہ سامنے آگیا - جو چھتّا صدیوں سے علم وعمل، اصلاح وتذکیر، احسان ومعرفت، تصوف وسلوک اور قدیم وجدید علم ونظر سے بہرہ ور خانوادہ سے منسلک ہے گویا اجنبی اور مخالف ماحول کی پیداوار نہیں ـــــ دراصل انسان فطرتاً صالح پیدا ہوتا ہے، صالح افراد سے تشکیل یافتہ سماج بھی صالح ہوگا فطرت کے اس چمن کو سدا بہار بنانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چمن کی زیبائش ورعنائی کو منتہائے کمال پر پہنچا دیا بُعِثتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الاَخلَاقِ - اب اس چمن کی آبیاری یا بالفاظ دیگر صلاح وفلاح نام ہے انبیاء کرام علیہم السلام کی مکمل اتباع ومطابقت کا، زندگی کا ہر گوشہ انکی تعلیمات سے شاداب، دل ودماغ ان کے انفاس قدسیہ سے معمور وگرم اور فکر ونظر ان کی تجلیات سے روشن وتابندہ - اب صلاح وفلاح کی ذمہ داری علماء کے سپرد ہے، اب جب بھی تذکیر واصلاح کا کام موقوف ہوتا ہے یا مضمحل تو شر وفساد کے جراثیم انسانی فطرت کو متاثر کر کے آمادۂ معصیت کر دیتے ہیں، معصیت تمرد وسرکشی بن جاتی ہے، پھر انسان کا حریف ازلی اس تمرد وسرکشی اور اس معصیت کی تزئین کاری میں لگ جاتا ہے، اور اس میں اس قدر رنگ آمیزی کرتا ہے کہ انسانی قلوب اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں، یہ گرویدگی وشیفتگی انسانی دلوں کو ـــ جو تجلیات ربانی سے معمور تھے ـــ معصیت نگر بنا دیتی ہے، گناہ صغیرہ پر اصرار جہاں اسے کبیرہ بنا دیتا ہے وہاں وہ انسان کو اس کا عادی بھی کر دیتا ہے، پھر منکرات کا شیوع ہوتا ہے، اس ماحول میں حق کی آواز بلند ہو اور اس کے مخالف پیدا نہ ہوں سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے مطلوب وپسندیدہ اشیاء سے علیحدہ

فارغ التحصیل تھے، اپنے پیر ومرشد حضرت شاہ محمد رمضانؒ سے عقیدت میں اس قدر غلو کرتے کہ فرماتے: "جس شخص پر حضرت شاہ محمد رمضانؒ کی بہیلی کی خاک اڑ کر پڑ جائے وہ جنتی ہو جاتا ہے"۔ مگر جب آپ نے حافظ مستقیم کو بیگھڑ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا تو یہ بزرگ جماعت سے کنارہ کش ہو گئے۔ تحریک کے تمام اچھے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے آپ کے وحدت وجود کے نظریہ

(بقیہ حاشیہ) کرنا سہل نہیں، خواہشات پامال ہوتی ہیں، اثر ورسوخ پر اثر پڑتا ہے، اقتدار کی چادر تار تار ہوتی ہے، فسق وفجور کی اجارہ داری ختم ہوتی ہے، ان میں سے کسی نہ کسی مرحلے کا واسطہ پڑتا ہے اور پھر مخالفت ضروری ولابدی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پیشتر نہ صرف ہر طبقہ میں مقبول ومحبوب تھے بلکہ آپ کی پذیرائی اس سے بھی آگے تھی، آپ الامین الصادق تھے، مگر جیسے ہی آپ نے 'لاالہ الااللہ' کی دعوت دی مخالفتوں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا، کیوں؟ آپ نے ان کے محبوب معبودوں کی نفی کر کے ان کے جذبۂ عبودیت کو ٹھیس پہنچائی، ان کے حیطۂ اقتدار کو ڈھیلا کر دیا، ان کے رگ وریشہ میں سرایت کی ہوئی بدی (بت پرستی) کا استیصال فرمایا۔ یہ ہے مسنون طریقۂ اصلاح وتذکیر۔ دلوں کو آمادۂ صلاح کرنے کے لئے اولاً شجر معصیت کی بیخ کنی 'لاالٰہ' پھر صلاح وفلاح کی کاشت 'الااللہ' یہ ہے کانٹوں کی سیج اور اگر صرف نیکی پھیلائی، برائی کو ہاتھ نہ لگایا، تو گو بظاہر بھلا معلوم ہوتا ہے مگر فطرت اور سنت کے عین ضد ہے۔ "نیکی اس قدر پھیلاؤ کہ برائی دب جائے"۔ اس راہ میں اگر تکلیف نہیں ہے تو باعث حیرت کیوں ـ؟ انبیاء علیہم السلام کی راہ میں ہوتی ہیں تکلیفیں اور یہ راستہ نہ فطرت کے مطابق ہے نہ سنت کے موافق ۔ اعاذنا اللہ منہ

کو خوب اچھالا، کفر کے فتوے حاصل کئے، حد یہ ہے کہ موصوف کی... معتقدین خواتین اپلے تھاپتے وقت اس طرح گاتی تھیں " رومی کافر، جامی کافر، ہمی کافر ہے"۔ حضرت ہادی ہریانہؒ کی کتاب "بلبلِ باغِ نبیؐ" کے مقابلہ میں پنجابی نظم میں "شہبازِ شریعت" لکھی، بلبل کے مقابلہ پر شہباز لانے سے دم خم کا اندازہ ہوتا ہے، انداز یہ ہے :-

" شہباز رسالہ شریعت والا پائے پیا وچ ڈھاراں ۔ سنو رنگیلی بلبل ماری چڑیاں لکھ ہزاراں"۔

... بات یہاں تک بڑھی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کو حکم بنایا گیا جنھوں نے ہادی ہریانہؒ کے حق میں فیصلہ دیا.....

(روضۃ الرضوان، نقیب الاولیاء)

تصانیف

اب سے نصف صدی پیشتر صاحب نقیب الاولیاء نے لکھا :-

"آپ کی تصانیف کی قبولیتِ عام کا بلا مبالغہ یہ حال ہے کہ میوات، ہریانہ، سوتر، نواح دہلی غرض ملک کے ہر حصہ میں کوئی گھر خالی نہیں جہاں عقائد عظیم، آخر گت، بلبل باغ نبیؐ موجود نہ ہوں"۔

ہمیں آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف کا علم ہے :-

(۱) عقائدِ عظیم (۲) آخر گت

(۳) بلبل باغ نبیؐ (۴) رنگیلی

(۵) وصیت نامہ (۶) ترجمہ قصیدۂ امالی

(۷) ادب چھوکرہ (۸) بوڑھی بیاض

(۹) فتاوی محمدی : ہریانی نظم (۱۰) رسالہ برق لامع

(۱۱) رسالہ رمضانی

(۱۲) رسالہ ردروافض : ایک شیعہ عالم کے سوالات اور فارسی نثر میں انکے جوابات۔

(۱۳) متفرقات : یہ کسی کتاب کا نام نہیں، اس میں منظوم شجرے، بعض بزرگوں کی شان میں فارسی قصائد، شاہ غلام جیلانی کے نام فارسی میں ایک خط، اوراد و اعمال وغیرہ ہیں

سفرِ حج

۱۸۲۴ء میں آپ ست مخلصین کو لے کر فریضۂ حج ادا کرنے روانہ ہوئے، ساحل سمندر تک کچھ سفر پیدل اور کچھ بہلی میں کیا، راستہ میں ہر مقام پر وعظ و تذکیر کی مجالس گرم رہیں، مدھیہ پردیش کے شہر مندسور میں کئی روز قیام رہا، روزانہ وعظ ہوتا اور لوگ پروانہ وار وعظ میں شریک ہوتے کچھ بوہرے بھی آپ کے وعظ سے متاثر ہوئے تو بوہرہ جماعت نے آپ کے جلسوں میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کی، حج قریب تھا اس لئے آپ جہاز پر سوار ہو گئے، جہاز میں بھی وعظ و تلقین کا سلسلہ بدستور جاری رہا آپ کے گرد ہمیشہ ہجوم لگا رہتا، حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ اقدس کرکے آپ عازم ہندوستان ہوئے۔

شہادت

حج سے واپسی پر مندسور میں آپ کا شاندار استقبال ہوا، آپ نے مسجد میں قیام فرمایا، اس مسجد کے پاس کچھ بوہروں کے مکان تھے، خلافِ معمول منگل کے دن آپ نے کپڑے بدلے، خوشبو لگائی، آپ اور آپ کے ہمراہی نماز کے بعد مسجد میں مراقب تھے اور معمولات و مشاغل میں مصروف

کہ بوہروں کی ایک جماعت شور وغل کرتی ہوئی مسجد میں آگھسی، اس وقت مسجد میں آپ کے پانچ ہمراہی حاجی رحمت خاں، حاجی گل محمد خاں ولایتی حاجی نور محمد کانپوری، حاجی قمر الدین ساکنہ دانگ، حصار، اور سید عبد القادر تھے، نیز سید احمد علی کرنالی، قاضی معین الدین مانڈل گڑھ والے اور پرتاپ گڈھ کے قاضی صاحب مصروف عبادت تھے، قاضی صاحب پرتاپ گڈھ والے پچاس آدمیوں کو ساتھ لائے تھے کہ حضرت ہادی ہریانہ کو اپنے یہاں لے جائیں، یہ پچاس آدمی شہر میں کہیں اور جگہ مقیم تھے، مسجد میں مقیم ان حضرات نے بوہرہ ہڑ بازوں کو مسجد سے نکالنے کی کوشش کی، اسی اثنار میں ایک مسلح ٹولی نے مسجد پر ہلہ بول دیا، حاجی رحمت خاں نے بندوق اٹھائی اور شست باندھی ہی تھی کہ آپ نے روک دیا اور فرمایا: "پہل کرکے ثواب گنواتے ہو" - ان سے بندوق چھین لینی چاہی، بندوق نیچے گر گئی اور اس کا کندہ ٹوٹ گیا، فوراً حملہ آوروں نے بندوقیں چلادیں، اس پر اجازت لے کر حاجی گل محمد خاں ولایتی اور حاجی رحمت خاں تلواریں میان سے سونت کر اٹھے، سات آٹھ بوہروں کو زخم آئے، باقی نے راہِ فرار اختیار کی، یہ بوہرے ساتھ کے مکان پر چڑھ کر گولیاں برسانے لگے، سب جاں نثاروں نے ہادی ہریانہ کو بیچ میں لے لیا کہ آپ پر آنچ نہ آئے، اتنے میں بوہروں کی ایک جماعت مسلح مسجد کا دروازہ توڑ کر اندر آگھسی، یہ جمعیت بہت بڑی تھی ان میں چالیس تو فریدی عرب تھے جو نشانہ بازی میں مشہور تھے، اور بوہروں نے ایسے موقعوں پر استعمال کرنے کے لئے ملازم رکھے ہوئے تھے، انکے ساتھ سیکڑوں اور تھے، دست بدست لڑائی میں تو کچھ دیر مقابلہ رہا آخر "شجر ولایت" کے برگ و بار جھڑنے لگے، سب سے پہلے حاجی رحمت خاں نے

زیر ناف گولی کھائی اور شہید ہوکر زمین پر گر پڑے، ان کے بعد قاضی معین الدین مانڈل گڑھ والے کی باری آئی، پھر سید عبد القادر نے جام شہادت پیا، بعد ازاں سید احمد علی جاں بحق تسلیم ہوئے، حاجی گل محمد کے دونوں پاؤں کٹ گئے اور حاجی نور محمد کے اول ایک کاری زخم تلوار لگا پھر ایک گولی ران میں ایسی لگی کہ بیتاب ہوکر گر پڑے، حاجی قمر الدین اور قاضی جی پرتاپ گڈھ والے بھی سخت مجروح ہوئے۔

قافلہ سالار حضرت شاہ محمد رمضانؒ ساتھیوں کی شہادت سے پہلے ہی بازو میں دو گولیاں کھا چکے تھے، ان بہادروں کے شہید ہونے کے بعد دو گولیاں اور آپ کے سینۂ مبارک میں آکر لگیں، ایک گولی جبینِ مبارک پر ایسی لگی کہ دماغ کو چیرتی ہوئی دوسری جانب نکل گئی، آپ معاً سجدے میں گرے اور طائرِ روح نفس عنصری سے پرواز کر گیا۔[1] یہ واقعہ ۲۸ جمادی الاول ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸/۱/۱۸۲۵ء کا ہے۔ ابھی حملہ آوروں کا جوشِ انتقام ٹھنڈا نہ ہوا تھا، انھوں نے ہادی ہریانہ کی نعش کو خنجر و تلوار کے پینتالیس زخم لگائے، آپ کا سامان اور قیمتی کتب خانہ لوٹ کر چلے گئے، ہادی شہیدؒ کے باقی ماندہ ساتھی جو کہ ناکہ بندی کے باعث پہلے نہ آسکے تھے اب آگئے، زخمیوں کو پانی پلایا، اور نعشوں پر آنسو بہا کر چادریں ڈال دیں۔

فوراً ہی ایک آدمی نیمچ چھاؤنی بھیجا گیا، جہاں الیگزانڈر کا رسالہ پڑا ہوا تھا اور جس میں ہادی ہریانہؒ کے معتقد ہریانی سپاہی تھے، قاضی شہر حاکم مندسور کے پاس گئے اطلاع کی مگر وہ پہلے سے ہی فتنہ پردازوں سے ملے

---

[1] روضۃ الرضوان، ص ۱۰۸، ۱۰۹

ہوئے تھے ، لوگ افسوس کرتے ہوئے مسجد میں جمع ہو گئے ، اور پھر شہر میں ہر طرف فساد برپا ہو گیا ، لوگوں نے بوہروں کو قتل کرنا شروع کیا ۔ میواتی معتقدین نے اس سلسلہ میں پیش قدمی کر کے اپنی جاں نثاری کا ثبوت دیا ، یہ لوگ بھوپال اور گجرات میں بھی پھیلے ہوئے تھے انھیں شاہ محمد رمضانؒ سے اجتماعی عقیدت و محبت تھی ، انھیں اپنا محسن و مرشد تصور کرتے تھے ۔ کرنل ایگزانڈر نے ایک دستہ فوج مندسور بھیجا ، شہر کا نظام فوج نے اپنے ہاتھ میں لیا تو فساد فرو ہوا ۔ قاضی شہر نے آپ کی نعش کو پالکی میں رکھا اور دوسرے شہدار کو چارپائیوں پر لٹایا ، نماز جنازہ پڑھنے کے بعد باقی شہدار تو وہیں دفن کر دیئے گئے اور آپ کی نعش پورے فوجی اعزاز کے ساتھ نیمچ چھاؤنی لے گئے ، وہاں لکڑی کے تابوت میں رکھ کر چھ ماہ کی میعاد پر نعش مبارک سپرد خاک کی گئی ۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

حضرت ہادیٔ ہریانہؒ کے برادر اصغر شاہ محمد اسماعیلؒ چالیس معتقدین اور سولہ کہاروں کو لے کر ۱۲ رمضان ۱۲۴۰ھ کو نیمچ پہنچ گئے ، ۵ شوال کو تابوت نکالا اور زخمی ہمراہیوں کو لے کر یہ قافلہ مہم کو روانہ ہوا ، راستہ میں ہر بستی کے لوگ جوق در جوق زیارت کو آتے اور ہر جگہ نماز جنازہ ادا کی جاتی ، جب یہ قافلہ مہم پہنچا تو گرد و نواح کے لوگ اور سارا قصبہ ٹوٹ پڑا ، قصبہ کے باہر ہی تمام رات نماز جنازہ ہوتی رہی ، ۴ ذی قعدہ ۱۲۴۰ھ کو آپ مہم میں سپرد خاک کیے گئے ۔ بعد میں اس قبر پر شیخ بہادل بخش تحصیلدار اور رئیس بادل کانٹی نے سادہ سا مقبرہ بنوایا ، کچھ عرصہ بعد جھجر کے نواب سپہ سالار عبدالصمد خاں نے اس پر استر کاری کرائی آپ کے عرس ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ جمادی الاول کو ہوتے رہے ، مگر یہاں صرف

قرآن خوانی اور نعت خوانی ہوتی تھی ، قوالی کی اجازت نہ تھی ۔

اولاد آپ نے صرف ایک شادی کی جس سے دو فرزند پیدا ہوئے اور تین لڑکیاں ۔ فرزند تو صغر سنی ہی میں وفات پا گئے ، لڑکیوں سے آپ کی نسل چلی ۔

خلفاء زندگی بھر آپ خلق خدا کی ہدایت و رہنمائی میں مشغول و منہمک رہے ، مگر روحانی فیض آپ کا اب بھی جاری ہے ، جن خلفاء کے نام معلوم ہو سکے :-

(۱) مولوی شاہ محمد غوث گنگوہیؒ : شاہ عبدالکریم چشتیؒ کے فرزند تھے جو شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اولاد سے تھے ، آپ سے ہادیٔ ہریانہؒ کے بھتیجے اور داماد شاہ عبدالغنی مہمیؒ نے خلافت پائی ۔

(۲) شیخ عظیم الدین مہمیؒ : خاندان سے صرف یہی آپ کے خلیفہ تھے ، ان کے اولاد کا سلسلہ جاری نہیں ، انھوں نے شاہ محمد رمضانؒ کے حالات پر فارسی میں دو کتب ہیں ' انیس الاعتقاد ' اور ' صراط العرفان ' لکھیں ، اول الذکر کا وہ قلمی نسخہ ہمارے پاس ہے جس کے کاتب خود مصنف ہیں ۔

(۳) میاں جی محمد شاہ ولایتیؒ (۴) میاں امیر حسین علیؒ

(۵) قاضی غلام فتح آبادیؒ (۶) پیر جی شہاب الدین ساکن جھنجنونؒ

(۷) میاں شاہ محمد بودلہؒ ساکن بیگھڑ (۸) حافظ رحمتؒ

(۹) حافظ مستقیم بیگھڑ (۱۰) قاضی دیندار نابیناؒ

(۱۱) حافظ قلندر بخشؒ (۱۲) مولوی احمد یار خاں فتح پوری

(۱۳) میاں جلال شاہؒ (۱۴) میاں جماعت علی شاہؒ

(۱۵) میاں حاجی خدا بخش سکنہ اہرواں ضلع حصار

(۱۶) مولوی خدا بخش ڈسکوی : عسل پور کے باشندے ۔ سائیں رحمت شاہ کے والد ، راجپوت ، حافظ قرآن اور عالم فاضل تھے ۔

(۱۷) پیر امیر بخش رہتکی ۔

(۱۸) قاری محمد بیگ دہلوی : آپ کے علاوہ ہادی ہریانہ رح نے دور کسی کو سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت نہیں کیا ۔

(۱۹) حافظ محمد ضیاء الدین : مولوی معین نارنولی کے فرزند تھے ، انھوں نے ہادیٔ ہریانہ رح کے نظریۂ وحدۃ الوجود پر خیالات ایک رسالہ میں جمع کئے ہیں

(۲۰) میاں شاہ پیر محمد : نواحِ بھٹنڈہ کے رہنے والے مگر اوائل عمری ہی میں پٹیالہ کے نواح میں آ بسے تھے ، سائیں رحمت شاہ ڈسکوی ، فتح محمد نابینا جیسے بزرگ آپ کے مرید ہیں ۔

(۲۱) میاں معصوم علی : نارنول میں عریاں پھرا کرتے تھے ، ایک مرتبہ ہادیٔ ہریانہ وہاں تشریف لے گئے تو اسی حال میں سامنے آ کھڑے ہوئے ، آپ نے فرمایا : " جاؤ کپڑے پہنو ، ننگے مت پھرو " ۔ اسی وقت حالتِ جذب سے ہوش میں آ گئے ، انھوں نے عمر بھر انگریزوں کے متوسلین اور ملازمین کے یہاں کھانا نہیں کھایا ۔

(۲۲) میر حیدر علی نارنولی ۔

(۲۳) میاں عبداللہ شاہ درویش : موضع منگالہ کے کائستھ تھے ، ہادی ہریانہ رح کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے ، دھلی میں رہتے تھے ، ان کے مشہور خلفاء یہ ہیں : میر اشرف علی ، میر ہاشم علی ، حاجی نور محمد کانپوری اور میاں لال شاہ ریوڑی والے ۔

(۲۴) میاں منور شاہ لاہوری : پہلے ہندو سادھو تھے ، ہادی ہریانہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے پہلے

شاہ محمد اسماعیل شہید، مہمیؒ

کاہنور، ضلع رہتک

ولادت: سنہ ۱۲۰۰ھ سنہ ۱۷۸۶م

شہادت: ۲۸ر جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۴ھ سنہ ۱۸۵۸م ۱۲ر فروری جیل خانہ حصار۔

آپ ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ کے چھوٹے بھائی اور شاہ عبدالعظیم بن شاہ عبدالحکیم کے فرزند تھے راجپوتوں کے مشہور قصبہ کاہنور میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والدین اپنے وطن مہم سے اکثر جاتے رہتے تھے وہیں ایک راجپوت خاتون کا دودھ پیا جسے آپ کی اولاد اب تک تعظیم کے ساتھ "دادی جھونہ" کے نام سے یاد کرتی ہے۔

آپ فضلاءِ روزگار میں سے تھے، فنِ موسیقی تک پر ایک رسالہ لکھا، جس کے صرف چار صفحے ہمارے پاس رہ گئے ہیں، علم طب کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی، اس فن میں آپ کا مصنفہ یا نقل کردہ سولہ صفحات کا ایک رسالہ ہمارے پاس ہے، شعر کا بھی اچھا ذوق تھا، ہمارے پاس آپ کے تصنیف کردہ یا نقل کردہ بیس رسائل ہیں جن میں رسالہ "ریاض الادویہ" (تصنیف عہد ہمایونی) شاہ غلام جیلانی کے رسائلِ طریق الہدیٰ اور اظہار اخفاء شاہ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا رسالہ فناء، حضرت ابوسعید بن فضل اللہ احمد المحمد الحسنی کے رسائل: ہدایت الطالبین اور ارشاد السالکین، اور مولانا عضدالدین کا رسالہ "فضل المتاخرین" قابلِ ذکر ہیں، آپ کی تین بیاضیں بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں، ایک میں دعائیں، عملیات، اور کتاب "تمیز احمدی" ہیں، دوسری میں غزلیں، نظمیں اور تیسری میں اپنے سفر لکھنؤ اور

الہ آباد سنہ ۱۲۳۲ھ کے حالات ہیں، اس بیاض کا نام آپ نے خود "بیاض حاصل سفر" رکھا ہے اور اس پر ہشت پہلو مہر "عظیم شریعتہ" کے حکیم اسمٰعیل لگی ہوئی ہے، آپ کی ایک بیاض مصلح الدین کے پاس ہے، اس بیاض میں دعائیں، عملیات، سفر الہ آباد کے حالات ہیں، اور صوفیائے کے بعض اقوال، حضرت شاہ محمد افضل الہ آبادی کی لکھی ہوئی ایک طویل تضمین، حضرت شاہ غلام جیلانی کے اس تعزیت نامے کی نقل جو انھوں نے محمد محفوظ خاں بہادر کی شہادت پر ان کے فرزند کو بھیجا ہے۔

آپ ایک عالم باعمل تھے، والد مجذوب تھے، بڑے بھائی حضرت ہادی ہریانہؒ سال میں گیارہ مہینے گھر سے باہر رہتے چنانچہ ہوش سنبھالتے ہی گھر اور جاگیر کا انتظام درو بست آپ کے کاندھوں پر آپڑا۔ نواب دوجانہ عبدالصمد خاں نے جو جاگیر سنہ ۱۸۰۸ء میں آپ کے والد محترم کو نذر کی تھی اس کی دیکھ بھال بھی آپ ہی کرتے، کمپنی کے ابتدائی دور حکومت میں اس جاگیر کی تصدیق و توثیق بھی آپ ہی کی مساعی سے ہوئی، حضرت جمال قطب ہانسویؒ کی خانقاہ کے میدان میں جو عمارت ہادی ہریانہؒ کی ترغیب سے بنی اس کی تعمیر آپ کی نگرانی میں ہوئی۔ ہادی ہریانہؒ کی نعش مبارک آپ ہی نیمچ چھاؤنی سے لائے اور آپ کے اہتمام ہی میں خانقاہ تعمیر ہوئی مگر آپ نے اپنی زندگی میں اس خانقاہ کو تکیہ نہیں بننے دیا حتیٰ کہ یہاں قوالی کی بھی اجازت نہ دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانقاہ شریف کے معاملات ہمیشہ شرک و بدعت سے پاک رہے۔

جب ہادی ہریانہؒ سے ناراض ہو کر ریزیڈنٹ علاقہ دہلی مسٹر ولیم فریزر نے آپ کی جائیداد ضبط کرلی تو شاہ محمد اسمٰعیلؒ کو والئ ٹونک نے اپنے یہاں بلالیا، جب تک آپ ٹونک میں رہے آپ کو سات روپے ملتے رہے اور

جب وہاں سے مہم تشریف لائے تو تاحین حیات آپ کو ریاست سے تین روپیہ ملتے رہے اس زمانے میں روپیہ کی قوت خرید آج سے کم و بیش بیس گنا تھی۔ آپ کا قد میانہ، گندمی گول چہرہ، اکثر انگرکھا پہنتے، دستار باندھتے، پاجامہ غرارے دار پہنتے اور نری کی پاپوش استعمال فرماتے، آپ نے بہت سے بزرگوں کی صحبت میں رہ کر راہ سلوک طے کی، تین ماہ کے لئے الہ آباد میں شاہ محمد فاخر ابن شاہ خوب اللہ کے خانوادے سے بھی استفادہ کیا۔ آپ مرید و خلیفہ حضرت شاہ غلام جیلانیؒ کے تھے، جن کا سلسلۂ قادریہ چشتیہ آپ سے بھی جاری ہوا، ہمیں آپ کے صرف چار خلفاء کے نام معلوم ہو سکے: آپ کے فرزند مولوی سیف الرحمٰن شہید جنگِ آزادیؒ، حافظ سراج الدینؒ، حافظ لکھاؒ ساکن موضع باہمن والا ضلع حصار[1] اور حضرت راج شاہؒ۔ آخرالذکر کے حالات پر ایک کتاب "ملت راج شاہی" طبع ہوئی، ان کا مدفن سوند ضلع گوڑگانوہ، میں ہے، صوفیائے میوات میں ان سے زیادہ محترم شخصیت کا ہمیں علم نہیں یہ بزرگ میواتی تھے[2]۔

اتباع سنت کا آپ کے یہاں خاص اہتمام تھا، خصائل حمیدہ اور شمائل پسندیدہ رکھتے، سلف صالحین کے طریقہ کی پابندی کا بہت خیال

---

[1] مولوی سیف الرحمٰن شہید یکم جمادی الثانی سنہ ۱۲۳۴ھ کو پیدا ہوئے اور سنہ ۱۸۵۷ء میں، ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۴ھ مصلوب ہو کر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے، حافظ سراج الدین صاحب ایک لائق نیکوکار اور نیکو اعمال بزرگ تھے اور سالک و درویش، حافظ لکھا صاحب بڑے پاک سیرت اور خوش خصال سالک تھے (ملت راج شاہی ص ۱۰۱)

[2] مآثر الاجداد ص ۱۱۸-۱۱۹ مطبوعہ اشرف پریس لاہور سنہ ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۴ء از منظور الحق صدیقی رہتکی

رکھتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حاضرین مجلس سے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: حضرت آپ کے پیرومرشدؒ اور برادر بزرگؒ تو محفل سماع میں شریک ہوا کرتے تھے مگر آپ کو کبھی مجلس سماع میں شامل نہیں دیکھا۔ فرمایا: بیٹا! ان کے ہم جنس اور ہم مشرب لوگ محفل میں موجود ہوتے تھے اس لئے وہ شریک محفل سماع ہو جایا کرتے تھے، اب میرے ہم مشرب ہی نہیں رہے تو میں کہاں جاؤں اور پھر اس کی تشریح اس طرح فرمائی کہ شریعت کا ایک مسئلہ ہے کہ جب اضطرار کی حالت ہو یعنی بھوک کی شدت سے جان پر آبنے تو اس حالت میں مُردار اور حرام بھی حلال ہو جاتا ہے، قرآن کریم کی آیت فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ اس کی شاہد ہے، ظاہر ہے کہ یہ حکم نفس کو ہلاکت سے بچانے کے لئے ایک حکمت پر مبنی ہے، اور تمام علما اس کو تسلیم کرتے ہیں، خاصانِ الٰہی بھی ایسی ہی بھوک اور شدت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس کا علاج رقص وجد اور سماع کے بغیر ناممکن ہوتا ہے، اگر خوش الحانی اور راگ کی آواز ان کے کان میں نہ پہنچے تو یہ لوگ حق سبحانہ وتعالیٰ کی تجلیات کے انوار اور اس کی ہیبت سے پگھل جائیں اور فنا ہو جائیں، اس واسطے ان کو سماع میں مشغول ہونا پڑتا ہے اگرچہ یہ داخل لہو ہے مگر اس لہو کی اباحت اور اجازت حدیث سے ثابت ہے اور اسی پر حضرات چشتیہ کا عمل ہے باقی رہا نقشبندیہ قادریہ وغیرہم کا اس سے پرہیز کرنا سو یہ عمل ان کا احتیاط میں داخل ہے کیونکہ گو مباح ہے مگر آخر لہو ہے، پس ان کا احتیاط کرنا افضل واولیٰ ہے، اور حدیث ذیل اس کی موید ہے: حضرت محمد بن المنکدرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا وہ لوگ کہاں ہیں جو اپنے کانوں کو لہو مباح اور مزامیر شیطان یعنی لہو غیر مباح سے بچاتے تھے، ان کو مشک کے باغوں میں

داخل کر دو اور پھر ملائکہ کو حکم ہوگا کہ ان کو میری حمد سناؤ اور ان سے کہہ دو کہ
لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

پس اہل طریقت کے ہر دو فریق میں کوئی اختلاف ونزاع نہ رہا، اب رہا معاملہ علمائے شریعت کا، سو وہ بھی سچے ہیں ان کا سماع کو حرام کہنا بھی حق ہے کیونکہ راگ سنکھیا کے مانند ہے، ایسا کون طبیب ہے جو اسے سمیات میں شمار نہ کرے اور ہر کسی کو کھانے کی عام اجازت دیدے، حالانکہ سب حکما جانتے ہیں کہ یہ جاذب رطوبات انتہا درجہ کا مقوی ہے مگر جب تک کسی طبیب حاذق کی رائے کے مطابق سنکھیئے کو استعمال نہ کیا جائے اسکی قوت سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں بجز اپنی ہلاکت اور فنا کے اور جس کو استعمال الغرض سنکھیا کی ضرورت ہی نہیں، یا ہے تو دیگر مقوبات سے کام بن سکتا ہو اگر اسے اپنی رائے یا کسی اناڑی طبیب کے کہنے سے استعمال کرے تو اس کی ہلاکت یقینی ہے، یہی حالت راگ کی ہے جب تک اس کے بغیر کام چل سکے مرشد کامل سالک کو اس کی اجازت نہیں دیتا اور جب وہ دیکھتا ہے کہ سالک کا کوئی روحانی مرض بجز اس علاج کے زائل ہونا دشوار ہے تو خاص خاص آداب وشرائط کے ساتھ اجازت دیتا ہے اور وہ بھی مرض کے زائل ہونے تک، جب مرض جاتا رہا، سالک اگر اب بھی اس پر کاربند رہے گا یا اس دوا کو ہی غذا بنا لے گا اور آداب وشرائط کا خیال نہ رکھے گا تو چونکہ دفتر شریعت کے درہم برہم ہو جانے کا اندیشہ اور عوام الناس کے گمراہ ہو جانے کا خوف ہے محکمۂ شریعت کے عہدیدار ضرور شور مچائیں گے اور اس خرابی کا انسداد کریں گے خواہ وہ راگ سننے والا کیسا ہی کامل کیوں نہ ہو پروا نہ کریں گے کیونکہ ان کے پاس نظیر موجود ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

انجیل پڑھنے سے روک دیا تھا حالانکہ انجیل آسمانی کتاب ہے اور حضرت عمرؓ کے کامل ہونے میں بھی شبہ نہ تھا جو ان کے غاکم بدہن ، گمراہ ہوجانے کا اندیشہ ہوتا لیکن چونکہ ان کی دیکھا دیکھی دیگر لوگ جو اس درجہ کامل الایمان اور سلیم الفہم نہ تھے انجیل خوانی کو ضروری سمجھ لیتے اور قرآن کریم اور اس کے احکام سے تساہل وتغافل ہونے لگتا سبحان اللہ کس قدر دل پذیر انداز میں یہ اہم مسئلہ حل فرمایا ہے فجزاهم الله احسن الجزا[1]

حضرت محبوب الٰہی سلطان نظام الدین اولیا ، اگرچہ خود راگ سنتے تھے مگر ان کے مائیہ ناز خلیفہ حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دھلویؒ راگ کے پاس بھی نہ جاتے تھے ، حضرت محبوب الٰہی نے کبھی ان کو راگ سننے پر مجبور نہیں کیا بلکہ جب کبھی ہو رہا ہوتا اور آپ تشریف لے آتے تو حضرت محبوب الٰہی راگ رنگ سب موقوف کرادیا کرتے اور فرماتے کہ اب مولوی آگیا ہے اس شغل کو چھوڑ دو ۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات چشتیہ کا راگ سننا بھی کسی نہ کسی مصلحت اور معالجہ کی غرض سے تھا ، یہ ضروری نہیں کہ جس طرح آج کل حضرات چشتیہ کے ہاں سماع کا معمول ہوگیا ہے گویا ان کی غذا بن گئی ہے ، خواہ کسی کو اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو سلسلہ میں داخل ہوتے ہی راگ سننا اور اچھلنا کودنا شروع کردیتے ہیں ، نہ طلب وشوق کا پتہ نہ عالم اضطرار کا ، پس صوفیائے کرام کو بھی اپنے طرز عمل کی اصلاح کرنی لازم ہے اور اہل شریعت کو بھی راہ اعتدال اختیار کرنی چاہیئے ، سالکین کو دونوں گروہ کے اہل کمال کے سامنے خاموش رہنا اور دم نہ مارنا لازم ہے ۔ خوارق وکرامات کا ظہور بھی آپ سے بہت کچھ

لہ ملتِ راج شاہی ص ۹۸، ۹۹، ۱۰۰

ہوا ، آپ کی دعا و تعویذ میں اللہ تعالیٰ نے خاص تاثیر رکھی تھی ، ایک مرتبہ ایک راجپوت کو پھانسی کا حکم ہوا ، آپ خود بھی اس وقت نظر بند تھے کیونکہ وہ دور ۱۸۵۷ء کے بعد کا تھا پُر از فتنہ و آشوب ، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا نقشہ ، نہ کسی معاملہ کی تحقیق ہوتی تھی نہ سچ جھوٹ کی تفتیش ؎

جسے دیکھا حاکمِ وقت نے
کہا یہ بھی قابلِ دار ہے

جس پر ذرا بھی شبہ ہوتا محبوس و مصلوب کردیا جاتا تھا ، گویا ایک قسم کا مارشل لاء تھا ، مخالفین نے آپ کی نسبت بھی باغی اور مفسد ہونے کی مخبری کردی ، انگریز سرکار نے آپ کو صدر ضلع حصار میں نظر بند کردیا ، آپ کے بڑے بھائی ہادی ہریانہ شاہ محمد رمضانؒ نے پہلے ہی بطور پیشین گوئی اس کی خبر دے رکھی تھی کہ برادر عزیز مولوی محمد اسماعیل شاہ کو اخیر عمر میں کچھ واردات پیش آئیں گی اور آزمائے جائیں گے ، چنانچہ وہی ہوکر رہا ، اسی حالت میں اس راجپوت کو ایک تعویذ لکھ دیا اور زبان سے بھی فرمادیا : "بعون اللہ تعالیٰ تو رہائی پائے گا" ۔ چنانچہ اس نے رہائی پائی ۔ داروغہ جیل کی بیوی ایک مرتبہ سخت بیمار ہوگئی ، آپ نے دعا فرمائی ، اُسے بھی شافی مطلق نے شفا عنایت کی ، لوگوں نے عرض کیا : "آپ دوسروں کے لئے دعا کو کام میں لاتے ہیں خود اپنی رہائی کے لئے کوشش کیوں نہیں فرماتے" فرمایا : "ہمارا وقت آن لگا ہے لہذا علاج معالجہ بے سود ہے" ۔ رات ہی کو ہم نے برادر بزرگؒ کو خواب میں دیکھا ہے ، فرماتے ہیں : "بھائی تکلیف کیوں اٹھاتے ہو ، ہمارے پاس آجاؤ" ۔ چنانچہ پنج شنبہ کا دن آیا تو آپ نے حسب معمول دودھ چاول پر فاتحہ دلوائی ، خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے ، اگلا دن جمعہ کا تھا جمادی الآخر کی ۲۸ تاریخ ۱۲۷۴ھ اور صبح کا سہانا وقت کہ آپ ہیضہ میں

مبتلا ہوئے اور اسی روز اسی ابتلاء میں جان شیریں جان آفریں کے حوالہ کی انا للہ و انا الیہ راجعون

ہر کہ آمد بجہاں زاہل فنا خواہد بود — آنکہ پائندہ و باقی ہست خدا خواہد بود[1]

جنگ آزادی کے وقت آپ کی عمر قمری حساب سے چوہتر سال تھی

رہتک ضلع پر انگریزی اقتدار ختم ہو چکا تھا۔ سرفروشوں کا ایک پندرہ سو افراد پر مشتمل دستہ دھلی سے ہانسی جا رہا تھا۔ راہ میں مہم ٹھہر گیا۔ یہاں اس دستہ کے سردار نے ایک ہندو بقال مسمی بابر اور اس کے کچھ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا، یہ لوگ جنگ آزادی کی مساعی میں رکاوٹ ڈال رہے تھے، بابر بقال کے رشتہ دار اور تحصیلدار مہم کا باپ شہر کے بزرگ حضرت شاہ اسماعیلؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پاؤں پکڑ کر التجا کی کہ ان کی مدد کیجئے۔ آپ نے ہم وطنوں کی ہمدردی کی اور آپ کی مساعی سے بابر بقال اور اس کے ساتھی رہا کر دیئے گئے۔

جنگِ آزادی ناکام ہوئی، انگریزی فوج بھوانی سے مہم کی طرف آ رہی تھی، ابھی تین میل تھی کہ تحصیلدار مہم، بابر بقال اور بعض نمبرداروں نے اس کا استقبال کیا اور آفیسر کمانڈنگ کے کان بھرے کہ مہم میں شاہ اسماعیلؒ اور اس کا خاندان شر و فساد کا بانی تھا، چنانچہ آفیسر نے عیدو خاں اور شہاب خاں نمبرداروں کو حضرت شاہ اسماعیل کو لینے کے لئے بھیجا، آپ اپنے فرزند مولوی... سیف الرحمن کو لے کر موضع سیسر پہنچ گئے۔ جہاں دونوں کو گرفتار کر لیا گیا، آپکو حصار اور آپکے فرزند کو رہتک بھیج دیا گیا، آپ کی جائیداد ضبط کر لی گئی اور گھر کا تمام اسباب نیلام کر دیا گیا۔ جنگِ آزادی کے ۴۳ سال بعد آپ کے نامور فاضل پوتے خان بہادر پیرزادہ محمد حسین عارف ایم۔اے نے اپنی نظم "موتیوں کے ہار" میں ضمنی طور پر اس گرفتاری کا حال لکھا ہے:-

۱ـ مدارج شاہی ص ۱۰۰ تا ۱۰۱

اس کو گذرے تیس اور چالیس سال — حق نے بھیجا ہند پر اپنا وبال
ایک لشکر یا کہوں قہر خدا — ایک چھوٹے شہر[1] سے ہو کر گیا
ایک ولیِ حق کا تھا اس جا قیام — قطبِ وقت اور عہد کا اپنے امام
رحم آیا ان کو ان کے حال پر — ہو لیا وہ ساتھ ان کے بے خطر
کچھ دنوں کے بعد پھر بدلی ہوا — دور دورہ مخبروں کا ہو گیا
عقل چلدی حاکموں کو کر سلام — سر چڑھا ان کے جنون انتقام
عقل اور تہذیب جب جاتے رہے — آدمیت پھر کہاں باقی رہے
ایک مجرم کی جگہ سو بے خطا — مار ڈالے پر نہ دل ٹھنڈا ہوا
باغ عرفاں کا گل صد برگ تر — دشمنوں کو خار آتا تھا نظر
باغیونکے ڈر کیوں جاتا وہ پاس — اور انکو کیا پڑا تھا انکا پاس
تھی کسے فرصت بھلا تحقیق کی — لگ رہی تھی ملک میں اک آگ سی
جنکے ہو کہنے میں اک خلق خدا — مصلحت رکھنا نہیں انکا بجا
اعتراض ان پر ہے اب کرنا فضول — ہوں یہی شاید حکومت کے اصول
ہو گئیں کچھ بدگمانی دل نشیں — کمپنی کی فوج بگڑی ہر کہیں
لوگ واں کے دیکھ کر ڈرنے لگے — جستجو ہمدردی کی کرنے لگے
پاس آئے اسکے وہ سب دوڑتے — التجا کی تا شفاعت[2] وہ کرے
فوج سے کر کے سفارش بر ملا — شہر اپنا لوٹ سے بچوا لیا
ہر جگہ بر ہو گیا شر و فساد — خوب نکلے سب کے پھر ذاتی عناد
دعویٔ تہذیب سب نکلا دروغ — عقل کو غصے کے آگے کیا فروغ

۱ـ مہم شریف ۔ ۲ـ مراد شاہ اسماعیل مہمیؒ

حاکموں کی ہوگئیں عقلیں خفیف | بے گنہ مارے گئے لاکھوں شریف
ایسے نازک وقت میں وہ باصفا | حاسدوں کی سعی سے پکڑا گیا
موذیوں نے یہ خبر حاکم کو دی | سازش اس کی باغیوں کے ساتھ تھی
یہ نہ کی تحقیق حاکم نے ذرا | کیوں گیا تھا کام اس نے کیا کیا
تھی یہی کافی انھیں بس اک دلیل | ہے یہی موقع ہوں برسرِ کار ذلیل
ہو جو لالہ زار میں ڈوڈا بلند | خود پسندوں کو نہیں آتا پسند
بے گناہ تھا شوقِ حق میں تر زباں | مثنوی کا شعر یہ تھا بر زباں

دشمنِ طاؤس آمد پرِّ او
اے بسا شہ را بکشتہ فرِّ او

آپ کے ایک اور پوتے مولوی عبدالشکور روضۃ الرضوان میں لکھتے ہیں:-

"سرکار انگریزی نے آپ کو صدر ضلع حصار میں بند کر دیا.... پنجشنبہ کا دن تھا تو آپ نے حسبِ معمول دودھ چاول پر فاتحہ دلائی خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے اگلا دن جمعہ کا تھا، جمادی الآخر ۲۸ تاریخ ۱۲۷۴ھ اور صبح کا وقت تھا کہ آپ ہیضہ میں مبتلا ہوئے، اور اسی میں اسی دن جان شیریں خدا کے سپرد کی" (ص ۴۳)

آپ کے ایک اور پوتے خان بہادر پیرزادہ ڈپٹی مظفر احمد فضلی نے آپ کی منقبت میں ایک قصیدہ کہا ہے جس کے ۲۷ شعروں میں سے صرف پانچ یہاں نقل کئے جاتے ہیں، یہ قصیدہ "گلبانگ سخن" میں شائع ہو چکا ہے:

خدیو خطۂ عرفاں و کتخدائے کمال | خدائے گان طریقت محمد اسمٰعیلؒ
شہے بنقش نگینش بود نجاتم او | "عظیم شد ز عطائے حکیم اسمٰعیلؒ"

شہید تیغ رضا آنکہ فی سبیل اللہ | نمود از سرِ تسلیم خون خویش سبیل
چہ باک نعش ترا بعد مرگ از آتش | کہ ہست آتش نمرود گلستان خلیل
زمانہ ببیں کہ چہ با روزگار با برگرد | نہ برد جاں بسلامت ز روزگار محیل

دوسرے شعر کا مصرعہ ثانی آپ کی مہر پر کندہ تھا، چوتھے شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ جنونِ انتقام میں انگریزوں نے چاہا کہ آپ کی نعش غائب کر دی جائے تاکہ آپ کے معتقدین اسے دیکھ کر اور مشتعل نہ ہو جائیں بہت سی لکڑیاں جمع کر کے آگ دہکائی گئی اور آپکی نعش کو اس میں ڈال دیا مگر آگ نے بھی اس شہید ملت علیہ الرحمۃ کی نعش پر اثر نہ کیا، آخری شعر میں با بر سے مراد وہ بنیا ہے جس نے آپکے خلاف مخبری کی تھی، اس بنیئے کو چھ سو اٹھارہ بیگھ اراضی تین پشت کی معافی پر ملی، سترہ سال بعد ۲۹ اپریل ۱۸۷۵ء بابر ولد بیتر چند کو آپ کے کسی مرید نے قتل کر دیا اور پولیس کو قاتل کا سراغ نہ مل سکا

آپ کی شہادت کے متعلق تمام روایات اور تحریری مواد دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ محبس حصار میں آپ کو پھانسی دی گئی، مگر آپ کی ہر دلعزیزی کے پیشِ نظر یہ مشہور کر دیا کہ آپ نے دودھ اور چاول کھائے جس سے آپ کو ہیضہ ہو گیا اور جیل میں آپ وفات پا گئے۔

مہتاب خاں ساکن کڑکڑی علاقہ کشن گنج راجپوتانہ نے آپکا قطعہ تاریخ شہادت کہا ہے:

جناب شاہ اسمٰعیل بھی | وہ تھے مقبول اور اللہ کے پیارے
اذیت اور سختی بہت دیکھی | سوا اسلام کے کچھ نہ پکارے
کیا اسلام پر جی کو فدا ان | پکڑ کر لے گئے تھے جب نصارے
کہی مہتاب نے تاریخِ رحلت | شہید ہو جنت اعلیٰ میں سدھارے[۱]

---

[۱] آثار الاجداد ص ۱۲۰ - ۱۲۳

قطب الاقطاب
فردوقت

حضرت میاں راج شاہ قدس اللہ سرہٗ سوندھی

پیدائش:- ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۷۹۹ء میں آپ نے اس عالم ارضی کو اپنے گوہر پاک وجود سے معطر فرمایا۔ والدین نے راج خاں نام رکھا، بعد میں جب فقر و تصوف کے بلند مقام پر فائز ہوئے تو راج شاہ سے مشہور ہوئے، سلسلہ نسب اس طرح ہے:- راج خاں عرف میاں راج شاہ ابن عبد السمیع عرف سمیع خاں بن عظمت اکبر بن عظمت خاں ......)

آپ کا تعلق میو قوم کے مشہور قبیلے (پال) ڈھنگل سے ہے جو خاندان چندر بنسی سری مہاراج راجہ رام چندر جی سے جاملتا ہے اس خاندان اور قبیلے کا نکاس اجودھیا سے ہے، وہاں سے منتقل ہوکر تاج پور آیا اور وہاں سے موضع رائسینہ Raesena تحصیل و ضلع گوڑگانوہ میں آکر آباد ہوا، یہاں سے پورے قبیلے کا نکاس ہے، پھر اس کی مختلف بڑی بڑی شاخیں ہوئیں جنھیں مقامی زبان میں تھانبہ (Thamba کہا جاتا ہے، آپ تھانبہ سوندھیا سے تعلق رکھتے ہیں جو موضع سوندھ کے باعث مشہور ہوا" آپ کے والد مولوی عبد السمیع عرف سمیع خاں یا سمیع خاں ذکر سبحان اللہ اس کثرت سے فرماتے تھے کہ زبان سے سوتے جاگتے یہ ذکر برابر جاری رہتا تھا، آپ کی بیوی نماز روزہ کی نہایت پابند تھیں، اور جب کوئی مہمان گھر آتا تو اس کی خاطر مدارات اس قدر کرتیں کہ کئی کئی دن ٹھہراتیں مولوی صاحب کے مزاج میں سخاوت، حلم و انکساری اس درجہ کی تھی کہ لوگ خود بخود گرویدہ ہو جاتے تھے، لوگوں کی تیمارداری کرتے اور ہر کس و ناکس کے گھر جاتے

تھے، فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا آپ کی عادت میں داخل تھا دراصل ایسا ہی اسلام ہے۔ فرمایا رسول اللہ نے کہ کھانا کھلاؤ جسے جانتے ہو اور جسے نہیں جانتے ہو[1]

اکثر ایسا اتفاق ہوتا کہ اپنا اور اپنی اہلیہ کا کھانا مہمانوں کی تواضع کر دیا جاتا اور خود روزہ رکھتے یا فاقہ کرتے اور کسی پر اس کا اظہار نہ کرتے، جہاں کہیں خبر پاتے علماء کی خدمت میں حاضر ہوتے، جب اپنے مویشی پہاڑ میں چرانے لے جاتے تو گوالوں کو اکٹھا کر لیتے اور اللہ اللہ کی ضربیں لگاتے، اپنے ہم عمروں کو نیک کاموں کی ترغیب دیتے، زبان سے گالی نہ دیتے اور جو گالی دیتے ان کو منع فرماتے تھے، کبھی کسی کے کھیت سے کوئی چیز نہ اکھاڑتے اور ایسا کرنے سے منع کرتے تھے، کھیت میں جب کسی کا جانور گھس جاتا تو اسے مار کر نہ نکالتے بلکہ باہر سے بغیر مارے نکالنے کی کوشش کرتے تھے، اس طرح اپنی ساری زندگی یادِ الٰہی اور خدمتِ خلق میں بسر فرمائی، ایسے گہوارۂ خلوص و للہیت اور عرفان و یقین سے پُر گھرانے میں میاں راج شاہ نے آنکھیں کھولیں پرورش پائی، پڑھنے لکھنے کے وسائل مفقود ہونے کے باعث آپ ظاہری تعلیم سے گو بہرہ مند نہ ہو سکے مگر باطنی قوت اور نورِ ایمانی سے ہر دقیق مسئلہ کو حل فرما دیتے تھے، مدبر، مستغنی المزاج، متوکل باللہ، صاحبِ زہد و ورع کمال منکسر المزاج، مسافر و مہمان نواز متصف بہ صفاتِ حسنہ بہ نمونۂ سلف صالحین تھے، آخری زمانہ میں اس قدر استغراق کا غلو تھا کہ آپ رات دن مشاہدۂ جمال میں محو رہتے، گفتگو کم کرتے، مریدوں کو توجہ قلبی سے طریقۂ اذکار و اشغال تلقین فرماتے خود عمل کر کے سمجھاتے، جو مرید ذکرِ الٰہی میں غلبہ حاصل کر لیتا اس سے مانوس اور خوش اور غیر مشرع لوگوں سے ناخوش ہوتے، اتباعِ شریعت اور حصولِ طریقت کی تعلیم و تاکید فرماتے، فارسی اردو، ہندی کے دوہے اور

---

[1] صحیح بخاری اول ص ۲۶

معرفت میں ڈوبے ہوئے اشعار پڑھتے اور بار بار زبان مبارک سے فرماتے :- "اللہ فضل کر، اللہ تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔ سوتے جاگتے ہر وقت آپ کا عقد نامل جاری رہتا [1]

آپ کے ہم عصروں میں جناب سائیں توکل شاہ نقشبندی انبالوی،

حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مقیم و مہاجر بیت اللہ شریف مکہ مکرمہ ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷م ۱۳۱۷/۱۸۹۵

مولانا شاہ فضل الرحمن نقشبندی گنج مراد آبادی ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۳م ۱۳۱۳/۱۸۹۵

حاجی سید وارث علی شاہ - دیوہ

شاہ جی شیر محمد میاں نقشبندی پیلی بھیت

مولانا غوث علی شاہ قلندری پانی پتی ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴م ۱۲۹۷/۱۸۸۰

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶م ۱۲۳۹/۱۸۲۳

حضرت شاہ ابو سعید نقشبندی مجددی دہلوی ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲م ۱۲۵۰/۱۸۳۵

حضرت شاہ عبد القادر، مترجم قرآن کریم، دہلوی ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳م ۱۲۳۰/۱۸۴۱

شاہ محمد اسحاق محدث نواسۂ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی - ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵م

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی - مترجم قرآن کریم ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹م ۱۲۳۳/۱۸۱۸

مولوی میر محبوب علی میواتی ثم الدہلوی مصنف "تاریخ الائمۃ فی ذکر خلفاء الامۃ" (مخطوطہ) جیسے اربابِ فضل و کمال، صوفیاء و مشائخ اور علماء و دانشور تھے، رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین آپ ان تمام بزرگوں سے ملے ہیں اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کے وعظوں میں برسوں شرکت کی ہے۔ ۱۲۰۰ھ ۱۲۷۰

---

[1] میاں راج شاہ کے کل حالات بلمت راج شاہی، مصنفہ معین قادری سے منتخب کر کے لئے گئے ہیں (ص ۱۰۹ - ۱۱۱)

مندرجہ ذیل بزرگوں سے آپ نے فیض باطن حاصل کیا ہے:۔

(۱) — سائیں گلاب شاہ صاحب مجذوب قصبہ ہتھین ضلع گوڑگانوہ۔

(۲) — میاں دین علی شاہ مجذوب دہلوی

(۳) — میاں کلن شاہ مجذوب کوٹ پوتلی

(۴) — مولوی نور محمد کملی والے دہلوی۔

(۵) — حضرت میاں اسمٰعیل کمہار، حصار

(۶) — میاں نور محمد نقاش[1]

میاں صاحب بچوں میں کم کھیلا کرتے، اور اپنے کاموں سے فارغ ہوکر تنہا بیٹھ جاتے اور ذکر الٰہی میں مصروف ہوتے اور ہمیشہ ایک وقت تنہائی کا اس کام کے لئے ضرور نکالتے، یہ باپ کی صحبت کا اثر تھا، کھیتی باڑی کا کام خود اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے، مویشی چراتے وقت خاموش رہتے اور کھڑے کھڑے کچھ پڑھا کرتے اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے یہ شغل برابر جاری رہتا، کوئی بولتا یا کچھ پوچھتا تو اس کا جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے، پندرہ سولہ سال کی عمر میں آپ نے یہ دستور کر لیا تھا کہ رات کے وقت گاؤں سے باہر کبھی تالاب کے کنارے یا قبرستانوں میں یا کسی پہاڑ کی چٹان پر جہاں دل چاہتا چلے جاتے، اور رات بھر اللہ اللہ کرتے رہتے، گانے کی آواز سے آپ پر ایک حالت طاری ہوجاتی، اس وقت آپ چادر اوڑھ لیتے اور خاموش بیٹھ جاتے، بعض اوقات صبح تک آپ کا جسم کانپتا رہتا اور یہ حالت ہوتی جیسے لرزہ سے بخار چڑھ رہا ہو[2]۔

سیّد محسن شاہ کا بیان ہے کہ حضور قبلہ میاں صاحب دیگر بزرگان دین کی صحبت سے فیضیاب ہوکر تین چار مجذوب صاحبان کی خدمت میں رہے اور

۱ ص ۱۰۷ ، ۲ ص ۱۱۱

ان سے فیض باطنی حاصل کیا، اور پھر پیر کامل کی تلاش ہوئی اس خیال میں علاقہ ہریانہ کا گشت کیا رہتک میں پہنچ کر حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل مہمی کی خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے از روئے مکاشفہ حالات معلوم فرماکر شرف بیعت بخشا اور اسی روز چاروں خاندانوں میں مجاز صحبت بناکر شجرۂ خلافت مرحمت فرمایا اور دستار خلافت اپنے دست مبارک سے آپ کے سر پر باندھی[1]۔

حیات خاں سکنہ سوندھ کا بیان ہے کہ میاں صاحب مجھ سے عمر میں کچھ بڑے تھے اور فقیر کے حال پر بہت مہربانی کرتے تھے نماز، روزہ انھیں سے سیکھا اور پھر انھیں کا مرید ہوگیا، موضع دھیر نکا متصل قصبہ ہتھین میاں صاحب کی ننھیال تھی ہر سال مویشی چرانے سوندھ سے وہاں جایا کرتے، اسی کے متصل کھیڑی ایک موضع ہے جس کی رکھیا (بنی) میں داتا گلاب شاہ مجذوب رہا کرتے تھے، یہ بزرگ بڑے صاحب فیض اور مستجاب الدعوات تھے، میاں صاحب کو ان سے بہت فیض حاصل ہوا، چند ہی دن میں آپ کو باطنی فیوض سے مالامال کر دیا، کوئی فقیر، سادھو، مولوی جہاں بھی کہیں ہوتا میاں صاحب اس کی خدمت میں حاضر ہوتے، سفر کی تکالیف اٹھاتے، اور کچھ پروا نہیں کرتے بعض اوقات برس دو برس گھر سے باہر رہتے اور بزرگوں کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے، ایک دن حضرت سے عرض کیا کہ "میاں صاحب آپ کہاں تشریف لے جایا کرتے ہیں"؟ فرمایا: "لالہ مہم شریف میں میرے پیر مولوی شاہ اسمٰعیل صاحب ہیں ان سے ملنے جایا کرتا ہوں، اور دہلی میں ایک مست دین علی شاہ ہیں، اور کوٹ پوتلی میں ایک مست کلن شاہ ہیں ان سے ملنے کا زیادہ شوق رہتا ہے اور مولوی نور محمد صاحب کملی والے، جو مرزا مظہر جان جاناں کے

۱ ص ۱۱۲

خلیفہ تھے بارہ سال تک دہلی میں ایک کائستھ کے دروازہ کی صحنچی میں پڑے رہتے ، یہ بھی مجھ پر بہت کرم فرماتے ہیں ، اور میاں محمد اسمٰعیل کمہار حصار والے ، اور مولوی محمد رمضان صاحب مہمی اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحب برادر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی ان سے میرا میل ہے اور یہ سب مردانِ راہِ خدا ہیں ۔

کوئی چشم حقیقت کھولکر دیکھے تو اے بیدل   تماشہ خاک کے پتلے میں پنہائے خدائی کا

اور بھائی ان کے علاوہ سو دو سو کوس تک بھی جہاں کہیں کسی بزرگ کو سنتا ہوں ان کی خدمت میں پہنچتا ہوں ،

عَلَيْكُمْ بِمُجَالَسَةِ الْعُلَمَاءِ وَاسْتِمَاعِ كَلَامِ الْحُكَمَاءِ فَإِنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْقَلْبَ الْمَيِّتَ بِنُوْرِ الْحِكْمَةِ كَمَا يُحْيِي الْأَرْضَ الْمَيْتَةَ بِمَاءِ الْمَطَرِ

علماء کے پاس بیٹھنا اور حکیموں کی بات سننا چاہیئے کیونکہ حق تعالیٰ مردہ دلوں کو حکمت کے نور سے اس طرح زندگی بخشتا ہے جیسے غیرآباد اور بنجر زمین کو پانی سے سرسبز و شاداب فرماتا ہے ۔

پھر میں نے عرض کیا : "میاں صاحب آپ نے اس وقت تک کتنے چلّے کیے ؟" فرمایا : "بھائی چلّہ کشی تو میں نہیں جانتا ان پڑھ ہوں یہ تو بزرگوں کا کام ہے البتہ ڈومر والے تالاب کی سل پر بارہ سال تک عشاء سے لے کر صبح تک اللہ اللہ کی ہے اور دن کو روزہ رکھنا اور کاشتکاری کا کام کرنا ، ایسے ہی گڑگج کے تالاب پر ۔ جو غیثہ پور باس کے پہاڑ میں ہے اور تمہاری گھوڑ بسی کے جھرنوں میں ، اور فیروز پور جھرکہ کے جھرنوں میں عرصے تک مختلف اوقات میں راتیں گذاری ہیں جے پور اور الور کی پہاڑیوں میں بہت پھرا ہوں اللہ کا شکر اور احسان ہے" ۔

میاں صاحب کا حافظہ ایسا تیز تھا کہ جس بزرگ سے ملتے اس کے ارشادات ، دوہے ، اشعار اردو فارسی اور آیات قرآنی ، علماء کے مواعظ ، امّی ہونے کے باوجود جوں کے توں یاد تھے ۔

ایک دن کسی نے عرض کیا : "آپ کو اتنی باتیں کہاں سے یاد ہوگئیں ؟" فرمایا : "تم کیا جانو جن سے میں نے یہ باتیں سیکھی ہیں" ؟ پھر عرض کیا کہ ایک دو کے نام تو بتا دو ۔ ارشاد ہوا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی اسحاق صاحب رحمۃ اللہ کے وعظوں میں برسوں شریک ہوا ہوں اور آپ کے پیچھے ایک عرصہ تک جمعہ کی نماز سوندھ سے چل کر دہلی میں پڑھی ہے اور بیسیوں عالموں سے ملا ہوں ، آگرہ ، لکھنؤ ، میرٹھ کی طرف سینکڑوں علماء سے باتیں سنی ہیں تم کو کس کس کا نام بتاؤں ؟" پھر دریافت کیا گیا : "کیا گنگا بھی دیکھی ہے ؟ فرمایا کہ گنگا اور جمنا کے کونوں میں برسوں اللہ اللہ کی ہے ، اور رشی کیش بھی گیا ہوں اور بہت سے ہندو فقراء کو دیکھا ہے اور مسلم فقراء کو بھی" ۔

پھر فرمایا : "بھائی خدا کو سچے دل سے دھاوے تو ہر ضرور مل جائے ، یاد رکھو کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں پر عمل کرنے سے سب کچھ مل جاتا ہے اور اس کے باہر کچھ نہیں ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

مرشد وسیلہ ہے اللہ اور اس کے رسول کے راستہ بتانے کا ، مرید کو پیر کی خدمت کرنے سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے اور پھر سب اس پر مہربان ہو جاتے ہیں ، ہم نے اپنے پیر کی خدمت کی ، خدا واسطے سیکڑوں فقیروں سے ملے اور ان کی خدمت بجالائے ، سینہ سے لگایا ، کرم کیا ، سب کچھ دیا ؎

محنت کر رے باؤرے بن محنت نہیں پان
بن محنت رے تجھے نہیں گوردھنی بھگوان

یعنی او سادہ دل محنت کر کہ اس کے بغیر کچھ نہیں ملتا بغیر محنت نہ مرشد دستیاب ہوتا ہے اور نہ دیدار الٰہی" ۔ (ص ۱۱۵)

ایک دفعہ آپ موضع الدھن ضلع میرٹھ میں فروکش تھے اپنے میزبان
منشی عبدالحکیم صاحب سے ارشاد فرمایا کہ دالان صاف کرکے وہاں فرش بچھا دو، حکم
کی تعمیل کی گئی، آپ دالان میں تشریف لائے اور ایسے بیٹھے کہ جیسے کسی کے آنے
کے انتظار میں کوئی شخص گوش برآواز ہو، تھوڑی دیر بعد دروازہ پر کسی نے دستک
دی اور آواز بھی۔ آپ نے فرمایا: "آجائیے"۔ اتنے میں مولانا محمد قاسم نانوتوی
رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے سلام کے بعد مصافحہ کیا، نہایت احترام سے بٹھایا، حضرت
مولانا نے کسی مشغلہ کی طرف اشارہ کیا، میاں صاحب نے اس شغل کی بابت ایسا
بیان فرمایا کہ سامعین محو ہوگئے، پھر چپکے چپکے کچھ اور باتیں کرتے رہے جو سمجھ میں نہ آسکی
تھوڑی دیر ٹھہر کر تشریف لے گئے۔ [1]

ایک شخص حافظ احمد اللہ صاحب ذکر کرتے تھے کہ حضور میاں صاحب میرٹھ
میں حکیم محمد مقرب حسین کے مکان میں مقیم تھے اور عقیدت مندوں کا ہجوم تھا، وہاں ایک
فقیر راہ گیر رنگین کپڑے پہنے ہوئے بیٹھے تھے کہ اتنے میں جناب مولانا محمد قاسم
صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور فروتنی سے پائنداز پر بیٹھنے لگے،
حضور نے ہاتھ تھام لیا اور اپنی ردا مبارک مولانا کے نیچے بچھائی اور فرمایا کہ:
"آپ عالم دین ہیں اس پر بیٹھیے"۔ مولانا نے چادر چوم کر سر پر رکھنا چاہا، حضرت
قبلہ نے ہاتھ میں لے لی اور اپنے پاس بٹھالیا، دونوں حضرات میں آہستہ آہستہ
باتیں ہونے لگیں، جو کسی کی سمجھ میں نہ آئیں۔ رنگین پوش فقیر باہمی گفتگو میں دخل در
معقولات ہونے لگا۔ حضور قبلہ نے بار بار منع فرمایا اور مولانا کے ادب کی تاکید
کی اس پر بھی وہ نہ مانے، آخر ناراض ہوکر فرمایا: "میاں دمڑی کے رنگ میں
کپڑے رنگ لینے سے الوہیت کے رموز نہیں سمجھ سکتے۔ بانا شیر کا چال

گدڑی کی سادہ بنا، یا سانگی، جس مرتبے کی یہ باتیں ہیں پہلے اس تک تو
پہنچو پھر دمل دینا ۔ع
"رموز مملکت خویش خسرواں دانند" ۔ یہ حصہ تو خاص حضرت مولانا
کا ہے"۔

سردی کے موسم میں ایک مرتبہ حضور سوندھ میں ہی سرس کے درخت کے
سایہ میں آرام فرما رہے تھے، ایک نابینا حافظ بھی کہیں سے آگئے، ارشاد ہوا کہ
ایک دفعہ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے سورہ فاتحہ کی تفسیر سات
روز تک بیان فرمائی اور بڑے بڑے نکات و معنی ارشاد فرمائے اور اخیر میں کہا کہ:
"اگر سات سال تک اس کی تفسیر بیان کروں تب بھی ختم نہیں ہوسکتی"۔ حافظ نابینا
بولے: "حضور! سات تو کل آیتیں ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ سات دن کیا بیان کیا
ہوگا"، فرمایا: "بھائی خدا کا کلام ایسا ہی بحر ذخار ناپیدا کنار ہے کہ برسوں ختم
نہیں ہوتا"، حافظ نابینا نے پھر وہی تکراری جملے کہے، آپ نے فرمایا: "اسی واسطے
خدا تعالیٰ نے تم کو اندھا کردیا"۔ [1]

منشی عصمت اللہ خاں صاحب، خادم حضرت فردوست، بیان
کرتے ہیں: "ایک شخص مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کی خدمت میں آیا
اور ایک باریک اور غیر معروف مسئلہ پوچھا، مولانا ممدوح نے ارشاد فرمایا: تم
ٹھہرو جمعہ کے دن میاں راج شاہ صاحب اپنے وطن میوات سے تشریف لائیں گے
اس کا جواب وہ دیں گے۔ مولانا محمد اسحاق۔ نواسۂ شاہ صاحب رح۔ جو اس وقت
تک حضور کے حالات سے واقف نہ تھے، بول اٹھے: "وہ دیہاتی جاہل کیا جانے؟"
اس پر شاہ صاحب نے غصہ ہوکر ادب کی تاکید فرمائی اور کہا کہ تم کیا جانو؟ مولانا

محمد اسحاق صاحبؒ نے سائل کو امتحان کرنے کے لئے جمعہ تک ٹھہرائے رکھا، جب جمعہ آیا تو مولوی صاحب اس سائل کے ہمراہ مسجد میں تشریف لائے اور سائل سے کہا: "دیکھو وہ حوض پر میاں صاحب وضو کر رہے ہیں، تو چل میں بھی آتا ہوں"۔ حضورؒ وضو کر چکے تھے کہ اتنے میں مولوی صاحب بھی تشریف لے آئے سائل نے مسئلہ پوچھا، آپ نے فرمایا کہ: "بھائی میں جاہل ہوں، دیہقانی اور ان پڑھ ہوں، مسائل کو کیا جانوں؟ یہ باتیں کسی عالم سے پوچھنی چاہئیں"۔ مولوی صاحب یہ پتہ کی بات سُنکر خاموش ہوئے، حضور مسجد کے اندر تشریف لے چلے اور فرمایا کہ فلاں موقع پر فلاں فلاں صحابی رضی اللہ عنہما نے رسول کریم ۔ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کو دریافت کیا تھا اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یوں جواب ارشاد فرمایا تھا"، مولانا محمد اسحاق صاحب نے تسلیم کیا اور سکتہ کے عالم میں آگئے۔[1]

مولانا ناظر حسین سہارنپوری کا بیان ہے کہ ان کے والد اور مولوی سرفراز علی صاحب مولانا محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی سے حدیث شریف پڑھتے تھے، ایک روز سبق میں آیا کہ جب بندہ میرا خاص ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان، زبان ہاتھ پاؤں بنجاتا ہوں، اس پر مولوی سرفراز علی نے حجت کی، مولانا محدث نے ہرچند سمجھایا، مگر قلب مضطر کی تسکین نہ ہوئی، پھر کچھ دیر بعد مولانا موصوف نے فرمایا کہ اس کا مطلب میاں راج شاہ صاحب بتلائیں گے انشاء اللہ وہ تمہیں اسطرح سمجھائیں گے کہ تمہیں اطمینان ہو جائے گا۔ مولوی سرفراز علی نے اجازت حاصل کی اور عرض کیا کہ کل سوندھ جاؤں گا، صبح کو مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپنے فرمایا: "گئے نہیں"؟ عرض کیا رات کو خواب میں ایک بزرگ کی زیارت ہوئی انھوں نے

[1] ص ۱۳۱

فرمایا ہے: "تم حدیث شریف کا سبق چھوڑ کر نہ آؤ، یہ بے ادبی میں شامل ہے میں خود وہاں آجاؤں گا اور سمجھا دوں گا، حضرت مولانا محدث علیہ الرحمۃ کے فرمانے پر مولوی سرفراز علی نے ان کا حلیہ بیان کیا، اس عرصہ میں مولانا نے سُنا کہ حضرت میاں صاحب تشریف لا رہے ہیں اول ہی مولوی سرفراز علی نے دیکھ کر کہا: "حضرت قبلہ وہ بزرگ یہی تھے جن کو میں نے خواب میں دیکھا تھا، میاں صاحب نے مولوی سرفراز علی کا ہاتھ پکڑا اور قریب ایک کھنڈر میں لے جا کر ان کا اطمینان کر دیا، جب واپس استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو چشم پُر آب تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے وہ دیکھا اور وہ سُنا کہ کبھی ان آنکھوں اور کانوں سے نہ دیکھا نہ سُنا ہوگا ؎

پوتھی سب تھو تھی بھئی پنڈت بھیا نہ کوئے
ڈھائی اچھر پریم کے پڑھے سوئی پنڈت ہوئے[1]

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ الدھن میں آپ کے پاس تشریف لائے، حضور نے استدعا کی کچھ وعظ فرمائیے، جب سے علماء دہلی کی صحبت ترک ہوئی ہے وعظ سُننے کا اتفاق نہیں ہوا، مولانا نے فرمایا کہ میں خود زبانِ مبارک سے سننے آیا تھا پھر دو تین شعر مثنوی کے پڑھے اور مطالب خاص کی بابت اشارہ فرمایا، میاں صاحب نے ارشاد فرمایا کہ ان کا ترجمہ اور مطلب بھی بیان کرو۔ اس پر اس بحر زخار علم شریعت نے وہ وہ موجیں دکھلائیں کہ سُننے اور جاننے والے ہی کچھ اس کا لطف پا سکے۔ پھر حضور قبلہ نے ان کا ایک مطلب فرمایا وہ عام فہم تھا، پھر دوبارہ تقریر کی، اس کو صرف مولانا نے سمجھا، سہ بارہ جو کچھ بیان کیا وہ ایسے مطالب عجیب و غریب تھے کہ رُوح مولانا وجد میں آگئی اور تیسرا کوئی نہ سمجھ سکا، ان بیانات سے مجلس کے قلوب

[1] ص ۱۳۹

پہ ایک ایسا اثر پڑا کہ سب مرغِ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگے اور ارشاد فرمایا :

"سبحان اللہ و بحمدہ، میں اپنی مراد کو پہنچا"، اور یہ شعر پڑھتے ہوئے رخصت ہوئے

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود [1]

مرزا عنایت اللہ بیگ دہلوی فرماتے ہیں کہ : "میں اور میر عاشق علی نواحِ پورب میں ہم سفر تھے، جب گنج مراد آباد کے قریب پہنچے تو حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے قدم بوسی کا شوق پیدا ہوا، قریب ہی وہاں ایک بزرگ رہتے تھے، فرمایا کہ تم جیسے خلاف شریعت سے وہ کیا ملیں گے، بہرحال ہم دونوں مراد آباد پہنچے اور مولانا صاحب کے یہاں حاضر ہوئے، آپ اس وقت حجرہ میں رونق افروز نہ تھے، کچھ مٹھائی لے کر ہم مکان پر پہنچے، آپ چارپائی پر بیٹھے انتظار میں تھے میر صاحب نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور چومنا چاہا، اسی کشمکش میں دونوں صاحب جھک گئے، مولانا نے فرمایا کہ رسالدار میرے لئے دعا کرو۔ میر صاحب نے عرض کیا کہ میں دعا کے لئے نہیں بنایا گیا ہوں ع ہر کسے را بہر کارے ساختند۔

پھر دونوں حضرات نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی پھر فرمایا کہ آپ ایسے بزرگ کے خادم ہیں جن کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے، اور ایسے ہی صاحبزادے میاں مولوی عبداللہ شاہ ہیں ؎

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں   ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند [2]

نواب محمد شاہ خاں سکنہ جسن پور ضلع مراد آباد نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا، چند روز قیام کیا حضرت میاں صاحب نے ارشاد فرمایا : "محمد شاہ وقت آگیا ہے کمر ہمت باندھ لو اور بنگالہ کی راہ لو، باستماع ارشاد پیر راہی بنگالہ ہوا، جب نواح بنگالہ میں پہنچا تو ایک ساحرہ مجھ پر عاشق ہو گئی، یہ کیفیت میری سات ہفتوں

---

[1] ص ۱۳۲ [2] ص ۱۶۶

تک گذری کہ جب اس کے گاؤں سے صبح کو چلتا تو شام کو قطع سفر کرکے وہیں موجود ہوتا یہ کیفیت جب میرے میزبان نے دیکھی تو کہا کہ جب یہ عورت تم سے دریافت کرے کہ کدھر جاؤ گے تو جس طرف جانے کا قصد ہو اس کے خلاف سمت کا نام بتا دینا ورنہ تمام عمر اسی چکر میں رہو گے، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اس دن دوسری طرف کو گیا وہ نہیں اور کہا مت جاؤ ورنہ پریشان ہوں گے، میں نے کہا: "مرشد کامل ہے تو کیا کر سکتی ہے"، وہ گھر کو چلی گئی اور میں نے اپنی راہ لی اس کی سرحد پار تک بھاگا گیا، جب اس وبال سے پیچھا چھوٹا تو منزل دو منزل چلکر دیوہ شریف حاضری کا ارادہ کیا کہ میاں حاجی وارث علی شاہ سے مل کر چلیں گے۔ وہاں پہنچا تو ایک ہجوم پایا، لوگ آپ کو پالکی میں سوار کئے ہوئے لے جا رہے تھے، بندہ نے بھی کندھا دیا اور مکان کے باہر ٹھہر گیا، کیونکہ اندر جانے کی ممانعت تھی۔ احقر نے عرض کیا کہ جا کر عرض کردو کہ ایک شخص خدمت میں نیاز حاصل کرنا چاہتا ہے، حضرت کا خادم بعد اطلاع واپس آیا اور کہا۔ بھائی بڑے قسمت والے ہو، آؤ، یاد فرمایا ہے، اور تمہیں کو سب سے پہلے پوچھا ہے۔ حاضر خدمت ہوا مصافحہ کیا ہاتھ چومے، حاجی صاحب نے فرمایا: "تم سے مل کر بہت جی خوش ہوا"، پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: "یہ ایک زبردست شیخ، فرد وقت کا خادم ہے، بھائی ہمارا بھی حضرت سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے"، میں نے رخصت طلب کی، فرمایا: "ہمارے مہمان رہو"۔ عرض کیا مجبور ہوں، صرف آپ کی زیارت کی خواہش تھی، سو الحمدللہ پوری ہو گئی"، اس پر حضور نے خادم سے فرمایا کہ ایک تھان اور پچاس روپے لاؤ اور فرمایا کہ یہ ہدیہ میری جانب سے پیش کر دینا، انشاء اللہ عنقریب نیاز حاصل کروں گا۔ جب میں سونڈھ حاضر ہوا مجھکو محقق یاد ہے کہ حاجی وارث علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سونڈھو تشریف لائے اور دو اہل اللہ نے باہمی ملاقات فرمائی۔ راز و نیاز کی باتیں ہوئیں۔۔۔۔۔

خوشا وقتے و خرم روزگارے   کہ یارے برخورد از وصل یارے

سفر بنگالہ کی واپسی پر پیلی بھیت میں شیر محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قدم بوس ہوا، آپ مرکان سے جانب جنگل جا رہے تھے، میں نے حصول زیارت کے بعد اجازت چاہی، فرمایا: آج مہمان رہو، لوگوں نے حضرت سے پوچھا کہ یہ نو وارد کون ہے؟ فرمایا: "یہ بڑے زبردست شیر کا خادم ہے"، اور آپ ایک درخت کے سایہ میں ہمراہیوں سمیت بیٹھ گئے اور مجھ سے پوچھا: اب کہاں سے آرہے ہو"؟ عرض کیا: بنگال سے، فرمایا: کہاں کا عزم ہے؟ میں نے کہا دربار مرشد۔ پھر آپ نے ایک آہ کھینچی اور فرمایا: "سبحان اللہ فرمانبردار عاشق صادق ایسے ہی ہوتے ہیں خدا جزا دے، انشاء اللہ صبح کو میں بھی حاضری سے مشرف ہوؤں گا۔" جب سورج نکلا تو فرمایا: جنگل چلو اور صرف تنہا مجھکو ہمرکاب لیا اور میدان میں پہنچکر ایک ضرب اللہ لگائی اور رونا شروع کیا، منہہ سوندھہ کی طرف کرلیا اور آن واحد میں آنکھیں کھول دیں اور ایک تھان اور کچھ روپیہ دیکر فرمایا: یہ پیش کردینا، اور عنقریب حضوری میں حاضر ہوں گا، نیز یہ بھی کہدینا کہ وقت آگیا ہے، ذرا خیال رہے، وہاں سے رخصت ہوکر سوندھہ حاضر ہوا اور نذرانہ و پیام پیش کیا تبسم فرمایا، اور خاموش ہوگئے، پھر دعا کی اور دیر تک کچھ کلمات آہستہ آہستہ فرماتے رہے جو سمجھ میں نہ آئے [1]

پس از مدت کہ بامن گفت از راہ وفا حرفے
چناں گشتم زخوشحالی کہ آں راہم نفہمیدم [2]

نواب صاحب ممدوح کو میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چار سفر کرائے

پہلا سفر بنگالہ، دوسرا سفر مدراس، تیسرا سفر پانی پت چوتھا رشی کیش کا سفر۔ پانی پت مولانا غوث علی شاہ صاحب کی زیارت کے لئے بھیجا گیا، ایک کوچہ میں ایک بزرگ سے

[1] ص ۱۵۴، [2] ص ۱۵۵

حضرت کا پتہ پوچھا، فرمایا: آپ جیسے خلاف شرع سے وہ کیوں ملیں گے؟ میں نے کہا: اس سے کیا حاصل، تم پتہ بتادو، وہ ہنس کر چلے گئے، میں چند قدم چلا تھا کہ ایک شخص اور ملے، اور مجھ سے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا: مولانا غوث علی شاہ کی خدمت میں! فرمایا: میں ہی تو ہوں۔ میں نے مصافحہ کیا اور ہاتھ چومے، اور ہمرکاب ہوا، ایک مکان میں ٹھہرایا، اور کچھ دیر بعد ایک خادم کچھ اپلے اور سیر بھر تمباکو رکھ گیا، شام کو کھانے کے لئے حضرت مولانا علیہ الرحمۃ خود بلاکر لے گئے۔ میں نے عرض کیا: آپ نے کیوں تکلیف فرمائی؟ فرمایا: "عزیزم تم ایک زبردست فقیر کے خادم ہو، یہ انھیں کی خدمت ہے"، غرض کھانا کھایا اور معافی چاہی، کہ آپ یہیں تشریف رکھیئے، مولانا ٹھہر گئے اور میں دکان پر آگیا، دو یوم قیام کیا تیسرے دن رخصت طلب کی اجازت نہ دی، فرمایا: آج رہو، آخر بحجت تمام رخصت ملی۔ چلتے وقت ارشاد فرمایا کہ سوندھہ شریف کب تک پہنچوگے؟ عرض کیا پندرہ بیس یوم میں، فرمایا جب تک تم پہنچوگے میں بھی پہنچ جاؤں گا، کچھ نذرانہ حضور کے لئے دیا اور رخصت فرمایا۔ سوندھہ حاضر ہوکر نذرانہ پیش کیا اور جو کچھ پیام تھا وہ دیا، دعا کی اور فرمایا کہ "اچھا بھائی اچھوں سے ملنا اچھا ہے، یہی لوگ مردان راہ خدا ہیں [1]

میر حاجی احمد حسین سکنہ گلاؤٹی ضلع بلند شہر، شیر ریاست جودھپور، راجستھان، اپنے وقت کے ایسے بزرگوں میں سے تھے کہ ان کی نسبت یہ خیال تمام اطراف میں پھیلا ہوا تھا کہ خلاف شریعت انھوں نے تازیست کوئی کام نہیں کیا ان کا یہ بیان ہے کہ یہ اثر مجھ میں حضرت میاں صاحب کی صحبت سے پیدا ہوا میاں صاحب شریعت کے اس قدر پابند تھے کہ ان کا کوئی فعل خلاف سنت نہیں تھا، رفتار، گفتار، نشست و برخاست سب سنت نبوی کے موافق

[1] ص ۱۵۶

تھیں، آپ تیز چلتے تھے اور پیروں کی چاپ چلنے میں سُنائی نہیں دیتی تھی، نیچی گردن کرکے چلتے اور بعض اوقات ردا مبارک سر پر ڈال لیتے، گفتار میں خشونت بالکل نہیں تھی، اور تقریر نہایت شیریں اور ایسی مسلسل ہوتی کہ سامع کا جی بات سُننے سے نہیں گھبراتا، اکثر دو زانو یا چوزانو پلنگ پر نشست رہتی، ہمیشہ باوضو رہتے، کبھی کھِلکھلا کر نہیں ہنستے تھے، ہر کام بسم اللہ کے ساتھ شروع کرتے، بولنے میں اللہ اللہ کے ساتھ کلام فرماتے، اکثر وقت وعظ و نصیحت میں صرف ہوتا شریعت کی بابت پابندی سے تاکید فرماتے، گالی یا فحش کلام ان کی زبان نے بچپن سے لے کر ضعیفی تک کبھی نہیں سُنے گئے، رات دن میں اکثر یہ کلمات فرماتے:

"یا اللہ تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ یا حفیظ، یا سلام، امان اللہ" بار بار کہتے، کوئی حافظ آجاتا تو اس سے قرآن پڑھواتے اور سُنتے سُنتے رقت طاری ہو جاتی تھی احادیث کی کتابیں سُنا کرتے تھے، لیلےٰ مجنوں اور ہیر رانجھا کے قصہ سُننے کا شوق تھا، آپ کے مرید اعظم شاہ ولایتی، اور محمد شاہ منصور کا قصہ پشتو میں پڑھتے تو میاں صاحب شوق سے فرماتے: " اعظم شاہ سُناؤ سُناؤ۔ اگر کوئی ہندی، پنجابی، پشتو اور فارسی زبان میں شعر یا کوئی دوہا یا چوپائی (رباعی) پڑھتا اور کسی لفظ کی اونچ نیچ ہو جاتی تو آپ فوراً بتا دیتے تھے۔ اکثر توحید و نعتیہ کلام سُنا کرتے اور خود بھی ہندی کے دوہرے اسی مضمون کے فرماتے، لوگوں کو تعجب ہوتا کہ باوجود ان پڑھ ہونے کے صحت الفاظ اور فہم مضامین کا یہ حال ہے: ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر[1]

مولف "ملت راج شاہی" کا بیان ہے کہ مولوی عبداللہ شاہ کی خدمت میں

عصر کے بعد حاضر تھا، بزرگان دین و صوفیائے کرام کے تذکرے ہو رہے تھے، غلام نے عرض کیا کہ "کیا کوئی بزرگ اپنے مرید کو کسی دوسرے بزرگ کی خدمت میں تکمیل مدارج کیلئے بھیجتا ہے؟ ارشاد فرمایا: "ہاں"۔ ایک دفعہ ایک شخص بعد انفراغ حج جو حضرت قبلہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا اور ان کے ایماء سے سوندھ حاضر ہوا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ حاجی صاحب نے اپنے اس مرید سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارے ایک دوست میاں راج شاہ مردانِ خدا میں سے ہیں اور موضع سوندھ ضلع گوڑگانوہ، جو قصبہ تاوڑ کے پاس ہے رہتے ہیں تم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ہمارا سلام کہہ دینا اور بس چنانچہ اب میں حاضر ہوا ہوں۔ حضور فرد وقت نے فرمایا، اچھا بھائی کھانا وانا کھاؤ اور آرام کرو، بعد نماز تہجد وہ شخص حاضر ہوا، دو گھنٹہ برابر تخلیہ میں رہا، صبح کو رخصت فرماتے وقت سینہ سے لگا کر ارشاد کیا: کہو اللہ، اس نے اللہ کہا، پھر فرمایا: کہو اللہ، تیسری مرتبہ پھر اللہ کہلوایا، اس وقت یہ حالت تھی کہ ہر بُن مو سے پسینہ جاری تھا اور بے خودی طاری تھی، پھر کیا تھا رنگ بدل گیا، کندن ہوگیا اور اسی حالت میں دعا دیتا ہوا چل دیا، حضور نے فرمایا کہ بھائی اس کی تکمیل میں یہ کسر تھی اور اس کا حصہ ہمارے پاس تھا[1]

ایک مسافر زار و قطار روتا ہوا میاں مولوی محمد عظیم شاہ صاحب کے سامنے آیا اور اس شدت سے رویا کہ چیختے چیختے بے ہوش ہوگیا کچھ دیر بعد طبیعت سنبھلی، دریافت کیا کہاں سے آئے ہو؟ کہا: بخارا سے حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے آیا تھا عرصہ پانچ ماہ کا ہوا کہ حضور مغفور کو میں نے خواب میں دیکھا تھا، ان سے طالب دعا ہوا، تسلی دیکر فرمایا: ہمارے پاس آؤ، نواح دہلی میں گوڑگانوہ ضلع اور اس میں ایک موضع سوندھ ہے ہمارا وہاں مکان ہے اور راج شاہ نام ہے، اس وقت حضور کے ہمراہ ایک لڑکا بھی تھا جس کی انگلی آپ نے پکڑ رکھی تھی، دریافت کیا کہ اس بچے کا نام کیا تھا، کہا محمد عمر،

اس کو آپ پیار کرتے تھے، خواب سے آنکھ کھلی، ولولہ پیدا ہوا کہ چلوں۔ اس دن سے سفر میں ہوں۔ یہاں پہنچ کر حضور کی خبر وصال سنی تو جگر چاک ہو گیا، اب کیا کروں

مولوی محمد عظیم شاہ نے فرمایا: جو لڑکا میاں صاحب کے ہمراہ تھا کیا اسے پہچانتے ہو؟ کہا ہاں، چنانچہ چند لڑکوں میں میاں محمد عمر شاہ کو ملا کر پیش کیا اس نے پہچان کر کہا کہ یہ لڑکا ہے اور یہی حلیہ ہے، پھر اس شخص کو حضرت مولانا محمد عبداللہ شاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ بھائی آگئے اچھا کیا۔ کیوں گھبراتے ہو ؎

زمن پرسید راہ و رسم شہرستان رسوائی
کہ چوں فرہاد مجنوں نیستم کوہی و صحرائی

سینہ سے لگایا اور بیعت کیا خدا کا نام بتایا اللہ نے اس کا کام پورا کر دیا، چند روز قیام کرکے کامیاب ہو کر اپنے وطن کو واپس چلا گیا[1]

ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے وعظ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیر کا تذکرہ فرمایا، لوگوں پر ایک حالت طاری ہوئی ایک شخص نے بچشم پرآب عرض کیا کہ مولانا صاحب اس زمانے میں بھی کوئی انسان اس خصلت کا ہے؟ مولانا ممدوح نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں، خدا کی خدائی خالی نہیں، ایک شخص یہاں تشریف لایا کرتے ہیں اس بار آئیں گے تم کو دکھا دیں گے۔ جب حضور میاں صاحب جمعہ کو جامع مسجد دہلی میں تشریف لائے، حوض پر وضو کر رہے تھے، مولانا ممدوح نے آپ کو دیکھ کر حوض کے قریب اپنا چادرہ مبارک بچھا دیا، میاں صاحب نے مولانا صاحب سے مصافحہ کیا اور تعظیم دی، مولانا نے فرمایا: "یہاں چادرہ پر تشریف رکھئے، میاں صاحب نے چادرہ اٹھا کر سر پر رکھ لیا اور فرمایا: مولانا صاحب! آپ ہادی دین متین، نائب رسولؐ، عالم فاضل ہیں۔ میں ایک گنہگار آدمی گنوار ہوں، کیوں مجھے اور گنہگار کرتے ہیں، بندہ

مالوں کی پاپوش کی برابر بھی نہیں، یہ کلمات سنکر ایک بڑے مجمع کے روبرو۔ جو وہاں موجود تھا۔ فرمایا:۔

"اے لوگو! جن بزرگ کے بتانے کا وعدہ تم سے کیا تھا وہ یہی ہیں، ہندوستان کی خوش قسمتی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیر کے حضرات اب بھی موجود ہیں اور وہ آپ کی ذات ہے کہ قدرت نے ایسی مقدس روحوں کو پیدا کیا"۔

اس پر حاضرین پر ایک رقت طاری ہوئی، سب نے آپ سے مصافحہ کیا، پھر جب آپ دہلی تشریف لے جاتے شائقین نیاز حاصل کرنے حاضر ہوتے:

ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء[1]

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی جب بیت اللہ شریف گئے تو وہاں کے فقراء اور اہل اللہ سے ملے، ایک روز خانہ کعبہ میں ایک بزرگ بزرگان دین کے اوصاف بیان فرما رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے آدمیوں کے یہ یہ وصف بیان کئے ہیں، مولانا ممدوح نے سنکر فرمایا کہ ان جمیع اوصاف سے متصف میں نے ایک شخص کو پایا، لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت وہ کون بزرگ ہیں اور کہاں قیام پذیر ہیں۔؟ مولانا نے تمام پتہ اور نام حضرت میاں راج صاحب، فرد وقت علیہ الرحمۃ کا بیان کیا۔ وہاں کانپور کے ایک مولوی صاحب بھی تھے، انھوں نے پتہ مفصل لکھ لیا، حج کے بعد پہلے اپنے گھر کانپور آئے اور کچھ دن قیام کر کے براہ دہلی قصبہ سہنہ پہنچے، پھر پہاڑی کا راستہ طے کر کے سوندھ کے جنگل میں آئے، دیکھا تو ایک بزرگ کھڑے ہیں، مولوی صاحب نے بعد سلام مسنون ان سے دریافت کیا کہ جناب یہاں کوئی موضع سوندھ ہے؟ اور کیا اس میں ایک بزرگ اس نام کے رہتے ہیں، فرمایا چلو سوندھ

میں بھی چلتا ہوں، ذرا آرام کرلو یہ کہہ کر کھیت کی مینڈ (ڈول) پر بیٹھ گئے اور وہ حدیث تلاوت کی جو مولوی صاحب نے کعبہ شریف میں بزرگان دین کے اوصاف میں بیان کی تھی، مولانا کانپوری یہ سنتے ہی مضطرب ہو گئے اور حضور کے قدموں پہ گر کے بے اختیار ہو گئے اور رونے لگے، حضور نے اٹھا کر سینہ سے لگایا اور سوندھ لیجا کر بیعت کیا، پھر ایک شغل تعلیم فرما کر کہا کہ بھائی کہاں کہاں بھٹکتے پھرو گے، ممکن نہیں کہ چپہ چپہ زمین پر پھر جاؤ، اپنے ہی میں ڈھونڈو، یہیں مل جائے گا۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ ؎

دور کہوں تو دور ہے اور پاس کہوں تو پاس
روم روم میں رم رہو جوں پھولن میں باس [۱]

شاہ محمد خان حسن پوری کہتے ہیں، ایک دفعہ ٹونک میں اپنے بھائی سے ملنے گیا، جنگل میں ایک سادھو اور ان کے چند چیلوں کو دیکھا، خدا کی شان وہاں جاکر اپنے سب ذکر واشغال بھول گیا، قلب میں یہ ذکر جاری ہوا۔ ہا، ہے، ہم، ہر چند اس وسوسے کو دفع کرنا چاہا نہیں ہوا، وہیں سوندھ شریف کو سیدھا ہو لیا، جس وقت قصبہ بھنہ سے پہاڑی پر قدم رکھا بدستور پہلا شغل جاری ہو گیا، گرو جی کا شغل ندارد یاد کرتا ہوں تو یاد نہیں آتا، غرض حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا، گذشتہ قصہ بیان کیا حضور نے ارشاد فرمایا کہ دوسری زبان میں وہ بھی خدا ہی کا ذکر ہے ع بہر نوعے کہ یاد آوری سر برآرد۔ بھائی اب کے جانا ہو تو اس کے چیلوں میں سے دو ایک کو مونڈ لینا ایک سال بعد پھر ٹونک پہنچا، اور اس سادھو کے پاس گیا خوب زورا زوری ہوئی کچھ اثر نہ ہوا صاف آیا، جب تھوڑی دور چلا تو راستہ میں آہٹ معلوم ہوئی، پھر کر دیکھا تو گرو جی کے دو چیلے چلے آرہے ہیں۔ میں نے کہا بھائی خیر ہے، کیا مہاراج نے بلایا ہے

۱۲۵

کہا: نہیں، پوچھا: پھر کیوں آئے ہو؟ کہاں جاؤ گے؟ کہا: جہاں تم جاؤ گے تمہارے ساتھ ہیں، ہر چند ٹالا نہ ٹلے اور کہا تم گرو ہم چیلے، میں نے کہا تم ہندو میں مسلمان، کہا سب ایکم کار۔ غالباً سب ایک۔ میں نے ٹالنے کا دوسرا بہانہ کیا ایک بکر قصاب کی دکان پر بیٹھ گیا وہ بھی وہیں پہنچے، میں نے ایک ٹکڑا مول لے لیا وہ ایک چیلے نے اپنے کپڑے میں لے لیا، آگے چل کر ایک مچھلی خریدی وہ دوسرے چیلے نے سنبھال لی، چند یوم کے سفر کے بعد دونوں چیلوں سمیت حاضر ہوا، حضرت قبلہ نے التفات فرمایا اور اپنا چیلہ کیا اور مجھ آزاد کا پیچھا چھڑایا کچھ یوم خدمت میں رکھا اور بعد تلقین اشغال وتکمیل مدارج ایک کو کسی جگہ کا صاحب خدمت کرکے بھیجا اور دوسرے کو ایک اور بزرگ کے سپرد فرمایا جو دامن کوہ میں استقامت رکھتے تھے وہ وہاں یاد الٰہی میں مصروف ہوا، اس مقام پر اس ادب کو ملاحظہ فرمائیے کہ باوجود ارشاد حضور کہ دو کو تم مونڈ لینا پیر کے سامنے پیر بننا پسند نہ کیا، حضرت کو یہ کس قدر پسند آئی ہوگی؟

ادب تاجیست از لطفِ الٰہی
بنہ بر سر، برو ہر جا کہ خواہی [۱]

مولوی عبدالغفور صاحب فرماتے تھے کہ جب آخری مرتبہ حضور نے مجھکو رخصت کیا تو فرمایا کہ ایک بزرگ نے اپنے مرید کو آخری دفعہ رخصت کے وقت وصیت کی کہ تو خدا اور رسول نہ بننا۔ عرض کیا کہ میں خدا اور رسول کیسے بن سکتا ہوں فرمایا کہ یہ دعویٰ کرنا کہ جو چاہے وہ ہو، یہ شانِ خدا ہے، ہوتا وہ ہے جو خدا چاہتا ہے، اور شانِ رسول محبوبیت کی ہے، یہ نہ خیال کرنا کہ میں بڑا زاہد و عابد ہوں اور اس لئے خدا کو پیارا ہوں، پس ان باتوں کو سوچ اور غور و فکر کرو ازاں بعد خدا حافظ و ناصر فرمایا، اور رخصت کیا، مجھ کو یہ کیا خبر تھی کہ یہ وقت حضرت قبلہ کا آخری ہے اور یہ تعلیم و ہدایت

[۱] ص ۳۶۔۱۳۷

یہ بھرپور الفاظ میرے کان پھر نہ سنیں گے۔ ؎

حبیب اللہ خیاط ہاپوڑی کا بیان ہے کہ قاری عبدالرحمٰن بریلوی حج کو گئے، نویں تاریخ شب حج کو خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ تمہارا حج قبول ہوگیا، اور بعد انفراغ حج راج شاہ نامی سے جو ایک فقیر پابند سنت سکنہ سوندہ ضلع گوڑگاؤں جو نواح دہلی میں ہے ملنا، جب وطن چلنے کے لئے جہاز پر سوار ہوئے تو باد مخالف سے جہاز طوفان کی زد میں آگیا اور پھٹ گیا ایک تختہ پر تین آدمی بچے پھر دو ان میں سے بھی غریق رحمت ہوئے، وہ تختہ بہتا ہوا ایک پہاڑ سے جا لگا، گھاس لکڑی پکڑتا ہوا اوپر چڑھا تو ایک دروازہ ملا، آواز دی کوئی نہ بولا، آخر اندر گیا صرف دو کوٹھری والا دالان تھا، بعد مغرب وہ دونوں کوٹھریاں کھلیں اور دو حضرات ان میں سے نکلے، ایک نے ذرا ترش روئی سے کہا: کون ہو؟ دوسرا بولا: خدا کا مہمان ہے مغرب کی نماز باصرار مجھ سے پڑھوائی پھر ایک خوان غیب سے اترا، ہم تینوں نے مل کر کھایا، تین روز بطور مہمان رہا، چوتھے روز کہا: "مکان کو جاؤ"۔ میں نے کہا کہ مکان میرا بریلی ہے کیسے پہنچوں گا؟ کہا: "اپنا ایک ایک پاؤں ہمارے کندھوں پر رکھو اور آنکھیں بند کرلو"، پھر کہا کھولدو تو بریلی کی سرحد میں موجود تھا چلتے وقت میں نے عرض کیا کہ اپنا نام تو بتادو فرمایا "ہم کو لیلیٰ مجنوں کہتے ہیں"، یہ کہتے ہوئے چلدیئے اور تاکید کرگئے کہ ہمارا سلام میاں صاحب کی خدمت میں کہنا۔ ؎

ایک روز قصبہ سہنہ مسجد کنڈ میں نماز فجر پڑھ کر بیٹھے تھے، دو چار آدمی بھی صحبت میں حاضر تھے، فرمانے لگے: بھائیو، میں بے علم ہوں لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بے علم کا مرید ہونا ٹھیک نہیں ہے، اور ہے بھی یہی کہ بے علم خدا کو بھی نہیں جانتا۔ پھر فرمایا: سنو، ایک بات کہتے ہیں، آدمی کا دل نیلوفر کے پھول کے مانند ہے۔

ـلہ ص ۱۳۸ ـلہ ص ۱۶۶

اور اس کے چار پہلو اور چار خانے ہوتے ہیں، ہر خانہ میں زمین و آسمان کی بہت بڑی ولایت ہے، ہر دل کے گڑھے یعنی نیچے کی طرف ایک خانہ ہے جو لامکاں کی جگہ ہے، اور پھر ہر خانہ میں اللہ پاک کا خزانہ ہے اور ہر خزانے پر پردہ ہے اور ہر پردہ پر شیطان کا ایک خادم و شاگرد ہے۔ پہلا پردہ غفلت کا ہے، دوسرا پردہ موت کو بھول جانے کا ہے اور اس پر حرص قابض ہے اور تیسرے پردہ پر حسد قابض ہے اور چوتھے پردہ پر غرور، اور ہر ایک کے ساتھ خناس وخرطوم وخطرات و وسوسے شامل ہیں اور ہر خانہ میں اللہ کے پہلے خزانے میں علم، دوسرے میں ذکر، تیسرے میں معرفت، چوتھے میں فقر، فنا فی اللہ اور بقا باللہ۔ اور مرشد ہر ایک کے دفعیہ کا علاج بتاتا ہے، پہلے کے لئے شریعت، دوسرے کے لئے طریقت، تیسرے کے لئے حقیقت و معرفت اور نفس کو مارنا، چوتھے کے لئے گناہوں سے ڈرنا اور دنیا کی صحبت چھوڑنا۔ پھر فرمایا کہ پردہ اٹھ نہیں سکتا مگر مرشد کامل کی نظر سے۔ پھر فرمایا: "بندہ اور اللہ کے درمیان کیا چیز وسیلہ ہوتی ہے اور اس سے کیا ملتا ہے؟؟ فرمایا: "بندہ اور خدا کے درمیان مرشد وسیلہ ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ خدا کی محبت حاصل ہوتی ہے، خدا کے بھید اور ڈر (تقوی) اور موت، مرنے سے پہلے مرنا (موتوا قبل ان تموتوا) حاصل ہوتا ہے" — پھر فرمایا: "اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں (اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ) اور پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام تو مردوں کو زندہ کرتے تھے اور ان کو پھر موت آجاتی تھی، ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے سرداروں کو وہ بات عطا کی کہ مردہ دلوں کو زندہ کرتے ہیں اور وہ قیامت تک نہیں مرتے، ان کی مٹی تک خراب نہیں ہوتی"۔ یہ فرما کر آپ بہت روئے اور کہا کہ میں بے علم ہوں خدا نے مجھے سہنہ میں ایک خاص کام کے واسطے رکھ رکھا ہے اللہ پاک کے حکم کا منتظر ہوں جب وہ کام پورا ہو جائیگا پھر نہیں معلوم کہاں جاؤں اور نہ یہ معلوم کہ وہ کیا کام ہے؟" ؎

ـلہ ص ۱۹۲

میر عاشق علی سکنہ گلاؤٹھی رحمۃ اللہ علیہ حضور میاں صاحبؒ کے چہیتے مریدوں میں سے تھے اور قلندری طریقہ رکھتے، ان کے پیر بھائی خاں صاحب میاں غازی الدین حیدرؒ شاہ خلیفہ حضرت میاں صاحبؒ نے میر صاحب سے بیان کیا کہ میاں صاحبؒ بارہ بارہ گھنٹے حبس دم کیا کرتے تھے۔ میاں صاحبؒ کے رونگٹے رونگٹے سے کلمہ کی آواز آتی تھی ؎

تن سوکھ پنجر بھیو اور رگیں بھئیں سب تار
ردم ردم باجت ہے، یہ ہے نام تہار

رات دن میں صرف ایک معمولی روٹی اور ایک کوزہ پانی پر گذر کرتے۔ پھر میر صاحب نے فرمایا: حضور میاں صاحب کے مجاہدہ کی آخر تک یہ کیفیت تھی کہ نوافل و ذکر الٰہی میں جوں شام سے بیٹھتے اگلے دن اسی وقت اٹھتے اور یہ حال تھا کہ غریبوں کے ساتھ محبت اور مروت سے پیش آتے، چھوٹوں اور بڑوں کو نصیحت فرماتے: جھوٹ دغا بازی، چوری اور ریاکاری بڑے گناہ ہیں، حسد و بغض، کینہ اور ریاکاری سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بندوں کی خدمت کرنا اور غریبوں کو مدد پہنچانا بہترین عبادت میں سے ہیں، اسطرح رضاء الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ مومنین و صالحین کی صحبت سے نور ایمان میں زیادتی ہوتی ہے ؎

صحبت صالح ترا صالح کند — صحبت طالع ترا طالع کند
اچھے کی صحبت بھلی بیٹھے کسی جیتی ستی کے ساتھ
سیوا کرے سمندر کی جا سو لگان جواہر ہاتھ

فقیروں درویشوں اور اللہ والوں کی صحبت اور خدمت سے دل کی سیاہی دور ہوتی ہے عبادت کا ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے جو خالق کائنات اللہ جل شانہ اور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضا کا ذریعہ ہے۔"

پھر ارشاد ہوا: "مخلوق کی خدمت کرو، خواہ کسی قوم کا ہو"، آپ خود بھی بیماروں کی خدمت کرتے، چمار بھنگی کوئی بلاتا اس کے چلے جاتے اور فرماتے: ؎

سبھی جات چمار کی بنا چام نہ کوئی
بنا چام وہ آپ ہی جسے کہے نہ کوئی

اور فضول خرچی کو روکتے۔ حتیٰ کہ جو کوئی پانی کو بھی فضول خرچ کرتا اس کو منع فرماتے اور کہتے یہ اسراف بیجا ہے، خدا اس کا حساب لے گا، کھانا کھانے سے پیشتر جب ہاتھ دھوتے تو کسی درخت کی جڑ میں ہاتھ دھوتے اور فرماتے: "یہ پانی بھی کیوں ضائع جائے، خدا کی بنائی ہوئی نعمت ہے، پانی ایسی جگہ ڈالو جہاں کسی کو نفع پہنچائے"، یہ سنت رسولؐ ہے۔ لوگ ذرا ذرا سی نیکیاں یوں ہی نادانی سے ضائع کر دیتے ہیں۔

اس طرح اس قدسی صفات بزرگ نے تقریباً پچاس سال میوات کی سرزمین کو بقعۂ نور بنائے رکھا۔ پورے علاقہ کی تنظیم کچھ اس طرح فرمائی کہ ہر علاقہ میں ذکر الٰہی کے مراکز قائم ہو گئے۔ گو آپ نے اپنا فیض محدود نہیں رکھا مگر پھر بھی اپنا ماحول ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے رہتا ہے اور "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" فرمان خداوندی ہے۔

وفات کون ایسا ہے جس نے اس دنیا میں آکر جام حیات سے شربت فنا نہیں پیا، رمضان المبارک کی ۸ تاریخ تھی اور تیرہ سو چھ سال ہجرت کے گذر گئے تھے کہ حضرت زبدۂ وقت میاں راج شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس جہان فانی سے کوچ فرمایا:

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ہاتف سبز پوش کرد رقم
شاہ عرفاں چو شد فنا فی اللہ

خلفاء ومجازین

آپ کے خلفاء کی فہرست گو طویل نہیں، مگر جس قدر بھی ہے مرتب اور بھرپور ہے۔

(۱) مولانا عبداللہ شاہ:- آپکے خلف الصدق اور سجادہ نشین خانقاہ سوندہ تفصیلی تذکرہ آ رہا ہے۔

(۲) حاجی حیدر شاہ:- خلف اصغر

(۳) غازی الدین حیدر شاہ سکنہ بہنہ ضلع گوڑگانوہ، آپکا وصال بھرتپور شہر میں ہوا، مہاراجہ بھرت پور نے آپکا مقبرہ بنوایا جو فصیل شہر سے باہر مگر اس کے متصل ہے۔

(۴) حاجی سید عابد حسین دیوبندی: بانی دارالعلوم دیوبند، ضلع سہارنپور

(۵) میر محمد تقی تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

وہ حضرات جو قطب عالمؒ کی توجہ سے مجذوب ہو کر صاحب خدمت ہوئے:-

(۱) حافظ میر احمد علی آکیڑہ ضلع گوڑگانوہؒ

(۲) میاں زمان شاہ ولایتیؒ خیر نگر دروازہ شہر میرٹھ

(۳) میاں خان محمد شاہ ولایتیؒ متعینہ کامل

(۴) میاں جھجو شاہؒ، صدر بازار میرٹھ

(۵) شاہ صاحبؒ سیدم پور علاقہ بھرتپور

(۶) مسماۃ مہنہ سکنہ بہی

(۷) مسماۃ والدۂ سلطان سکنہ کھوڑیا، نارنول

(۸) صاحبزادی نوابی والدہ میاں ولی محمد جیؒ، سانٹھاواری

(۹) عبدالمجید شاہ، الدھن ضلع میرٹھ

(۱۰) دہری میوؒ مجذوب فیروز پور جھرکہ

(۱۱) پیر جی فیاض علی میرٹھ[1]

---

[1] ص ۱۹۵-۱۹۶